ماھنامہ

حکمت بالغہ

نومبر 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ الحدید

سورۃ الحدید قرآن حکیم کی انتہائی عظیم سورۃ ہے۔ اس سورۂ مبارکہ سے مدنی سورتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک چلا گیا ہے اس سلسلہ کی یہ جامع ترین سورۃ بھی ہے اور اس کا نقطہ آغاز بھی ہے، اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی چھ آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا انتہائی جامعیت کے ساتھ اور اعلیٰ ترین عقلی سطح پر بیان ہے ــــــــــــ اس کے بعد دین کے تقاضے دو الفاظ میں بیان ہو گئے۔

''اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ جس جس چیز میں اللہ نے تمہیں خلافت عطا فرمائی ہے اسے اللہ کی راہ میں لگا دو''

یہ ہے دین کا تقاضا انتہائی مختصر الفاظ میں اے اہل ایمان اگر تم یہ دو تقاضے اچھی طرح پورے کر دو گے تو دنیا اور آخرت کی کامیابیاں تمہارے لئے ہیں اور دینوی فلاح و کامرانی کا نقطہ عروج ہے وہ خلافت ارضی جس کے لئے انسان کو ''خلیفہ'' کہا گیا ہے اور اسی مقصد کے عملی اظہار اور ''اسوۂ کامل'' کے طور پر حضرات پیغمبر علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور بالخصوص نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں تا کہ لوگ دنیا میں عدل وانصاف پر قائم رہتے ہوئے زندگی گزاریں۔

یہ بڑی بدنصیبی ہو گی کہ ان تقاضوں کی ادائیگی سے جی چرایا جائے اور پہلو تہی کرتے ہوئے زندگی گزاری جائے اگر ایسا ہوا تو جان لو پھر تمہاری منزل منافقت ہے، اور

منافقت انتہائی دردناک انجام تک پہنچا دینے والی چیز ہے، منافق دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ شمار ہوتا ہے لیکن اخروی انجام کے اعتبار سے وہ کافروں کے ساتھ ہوگا چنانچہ انتہائی حسرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب قیامت میں اہل ایمان اور منافقین کو جدا کر دیا جائے گا اور ان کے مابین فصیل حائل کر دی جائے گی تو منافق پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ تو اہل ایمان جواب دیں گے ہاں! لیکن تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر رہ گئے اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔ پھر تم گومگو کی کیفیت سے دوچار ہو گئے کہ اللہ کے دین کے لئے سرفروشی اور جانفشانی کریں یا نہ کریں، قدم بڑھائیں یا نہ بڑھائیں۔ نتیجہ یہ کہ آج تمہارا کوئی مددگار نہیں، آج تمہارا انجام کفار کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے اور دین کے تقاضوں کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

سَبَّحَ لِلّٰهِ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ

(وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر)

ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے

وَ هُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ

اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ

پھر عرش پر جا ٹھہرا

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا

سب اس کو معلوم ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے

وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا

اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ

اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ

اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ

اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں

یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِیۡ النَّهَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّهَارَ فِیۡ الَّیۡلِ

(وہی) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَهُوَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ

اور وہ دلوں کے بھیدوں (تک) سے واقف ہے

حرف آرزو

پاکستان اور قرآن اور پاکستان اور اسلام کے الفاظ لازم وملزوم ہیں، تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد بھی یہاں اسلام کے نفاذ اور قرآن وسنت کی بالادستی کے لئے مختلف انداز میں کام ہورہا ہے کبھی یہ جذبہ بیدار ہوجاتا ہے اور حرکت پیدا ہوجاتی ہے جبکہ کبھی یہ جذبہ خوابیدہ رہتا ہے۔

جامعہ حفصہؓ اسلام آباد کے حالیہ واقعات (جنوری 07ء تا جولائی 07ء) نے اس جدوجہد میں ایک نئی بحث کا اضافہ کیا ہے کہ اب تک اس ضمن میں جو کوششیں ہوئیں ہیں ان میں سے صحیح طریق کار کونسا ہے؟ اور شاید دبی زبان میں یہ کہا جارہا ہے کہ جو طریق کار بھی اب تک میدان عمل میں آکر آزمائے گئے ہیں ان میں سے کوئی طریق کار بھی نتیجہ خیز نہ ہونے کے باعث غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔

اس ضمن میں مسلمانان پاکستان کی صحیح رہنمائی کے لئے گذشتہ شمارے میں چند گذارشات سامنے رکھیں تھیں اور ہماری نگاہیں طبقہ صوفیاء اور خانقاہی نظام سے وابستہ افراد کی طرف اٹھ گئی تھیں اور اس کی معقول وجوہات بھی ہیں جن میں سے کچھ وہیں درج ہوگئیں تھیں۔

ان سطور میں ہم تحریک پاکستان میں شامل ان مذہبی عناصر کو تلاش کرنے کی کوشش کررہے ہیں جن کی کوششوں سے تحریک پاکستان ایک عوامی تحریک بنی اور اس میں مذہب کا عنصر نمایاں ہوکر سامنے آیا جس سے اس وقت کے برطانوی ہند کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کے

حق میں اور دوقومی نظریہ کی تائید میں اپنا ووٹ استعمال کر کے قیام پاکستان کی راہ ہموار کر دی۔

قیام پاکستان کو اب ساٹھ سال گزر گئے اور دو نسلیں پاکستان کی آزاد فضا میں آنکھ کھولنے کے بعد پل بڑھ کر اب میدان عمل میں آ چکی ہیں۔لیکن نصاب تعلیم میں مطالعہ پاکستان کے باب میں بے رحمانہ تبدیلیاں ہماری نئی نسل کے سامنے تحریک پاکستان کا صحیح نقشہ اور حالات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ایک عام تاثر تو یہی ابھرے گا کہ جو عناصر پاکستان میں آج سرگرم عمل ہیں وہی عناصر اور جماعتیں (قدرے تغیر وتبدیلی کے ساتھ) آج سے 80 سال پہلے بھی سرگرم ہوں گے۔مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ایک طویل عرصے سے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لئے سرگرم سیاسی و جہادی عناصر وہ ہیں جن کے اکابرین تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد میں یا تو اس تحریک کے مخالف تھے اور ان کا وزن دوسرے پلڑے میں تھا یا کم از کم غیر جانبدار کہ عملاً اس تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا۔اور اس سے مراد جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی ہیں۔جمعیت علمائے اسلام کے تمام دھڑوں کے اکابرین آج سے ستر سال پہلے کانگریس کے ساتھ اور اس کے حلیف تھے جبکہ جماعت اسلامی کے بانی ایک غیر جانبدار فریق کے طور پر کانگریس کے طریق کار اور تحریک پاکستان کے اکابرین پر بھرپور تنقید کر رہے ہیں۔اور ہمارے نزدیک یہ تمام حضرات اپنی جگہ نہایت مخلص تھے اور اپنے اپنے تقویٰ وتدین کے ساتھ اور خلوص دل سے اپنی رائے اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھ کر عمل پیرا تھے۔

مسلمانان پاکستان کی اجتماعی اور ملی سوچ میں ماضی کے یہ حالات یکسر محو نہیں ہوئے اور اس کے اثرات آج بھی سیاسی تجزیہ نگار ہمارے ہاں محسوس کر سکتے ہیں۔اور اس کے عملی شواہد بھی گاہے بگاہے قومی پریس کی زینت بنتے رہتے ہیں۔

آج سے 90 سال قبل کے برطانوی ہند کے مسلمانوں کی نفسیات اور سوچ کو سمجھنے کی

کوشش کریں اور ذرا ٹھنڈے دل سے جنگ عظیم اول (18-1914) سے قیام پاکستان کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو حالات کا ایک خاکہ ابھر کر سامنے آئے گا۔

☆ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ 1920ء تک ڈھاکہ سے ایشیاء تک کے تمام مسلمانوں کی ایک ہی مذہبی قیادت تھی وہ تمام عناصر جمعیت علمائے ہند کے نام سے جمع تھے اور اس میں تمام فکری دھارے شامل تھے۔ چنانچہ اس جمعیت کے پہلے صدر تھے حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہمقدم تھے علمائے اہل حدیث، علمائے شیعہ، علمائے بدایوں، علمائے فرنگی محل، علمائے پنجاب وسندھ اور علمائے بہار و بنگال علمائے اجمیر اور علمائے بریلی میں سے مولانا احمد رضا خان صاحب تو خود شامل نہیں تھے مگر ان کے داماد مولانا عبدالعلیم میرٹھی (جو حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے والد اور مولانا انس نورانی کے دادا تھے) اس جمعیت میں بنفس نفیس شریک تھے اور یوں مسلمان متحد تھے۔

شیخ الہند حضرت محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ دیوبند کے پہلے شاگرد بھی تھے اور بعد ازاں پہلے مدرس، صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی۔ ہمارے نزدیک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی جامع شخصیت دارالعلوم دیوبند نے پیدا نہیں کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فیض یافتہ لوگ بلاواسطہ یا بالواسطہ انہیں کے شاگردوں اور فیض یافتہ لوگوں میں شامل ہیں۔ 1920ء تک شیخ الہند جمعیت علمائے ہند کے متفقہ صدر تھے اور آپ سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر چل رہے تھے مگر نومبر 1920ء میں آپ کی وفات کے بعد جمعیت علمائے ہند کی قیادت سب مسلمانوں کو ساتھ لیکر نہ چل سکی اور آہستہ آہستہ بعد پیدا ہوتا چلا گیا اور جمعیت علمائے ہند صرف وابستگان مدرسہ دیوبند تک محدود ہو کر رہ گئی۔

سیاسی سطح پر مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے حق میں آواز اٹھانے کیلئے مسلم لیگ (1906) میں قائم ہو چکی تھی تاہم اس کا عملی کردار نہایت محدود تھا۔ 1930ء کے جلسہ الہ آباد کے بعد اور قائداعظم کی دوبارہ وطن واپسی سے مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا حتیٰ کہ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے بعد مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر سامنے آ گئی۔

1940ء کے بعد تحریک پاکستان نے قرارداد پاکستان کے ذریعے ایک علیحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ کیا جمعیت علمائے ہند تو سیاسی طور پر کانگریس کے ساتھ چلی گئی اور اس کے زیر اثر مسلمانوں کا ایک موثر اور فعال طبقہ بھی ہندو مسلم اتحاد کے نعرے تلے جمع ہو گیا جبکہ جمعیت علمائے ہند کے علاوہ دیگر علماء کے حلقے (بدایوں، اجمیر، فرنگی محل وغیرہ) مسلم لیگ کے قریب آئے حتیٰ کہ علمائے بریلی میں سے مولانا نعیم الدین مرادآبادی (شاگرد رشید مولانا احمد رضا خان صاحب) بھی مسلم لیگ کے سرگرم حامیوں میں شامل ہو گئے۔ تحریک پاکستان میں شامل اس عنصر کو عرف عام میں بریلوی مکتبہ فکر کہا جاتا ہے اس طبقہ نے تحریک پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔

تحریک پاکستان کے عروج کے دنوں میں خود علمائے دیوبند کا ایک قابل ذکر طبقہ مولانا سید شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے زیر اثر حلقہ بھی مسلم لیگ کے ساتھ آ گیا۔

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والوں میں سرحد پنجاب اور سندھ کے معروف پیر گھرانے اور سجادہ نشین حضرات بھی پیش پیش تھے پورے برطانوی ہند میں بنارس کانفرنس اور کراچی کانفرنس کے ذریعے ان حضرات نے عوام کو متحرک کرنے کا حق ادا کر دیا۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں جو کردار پیر صاحب آف مانکی شریف نے ادا کیا وہ ایک یادگار واقعہ ہے۔ اور لائق صد خراج تحسین ہے۔ یہاں تمام اکابر علماء کرام کے نام لکھنا ممکن نہیں یقیناً بے شمار لوگوں نے درجہ بدرجہ کام کیا اور ان کے کارنامے عوام کے اجتماعی شعور میں نقش ہیں اور تاریخ کے صفحات پر کندہ ہیں

ہمارے نزدیک یہی وہ طبقہ تھا جس کی کوششوں اور محنتوں نے تحریک پاکستان میں مذہبی اور ملی جذبے کو اجاگر کیا اور اس تحریک کو ایک عوامی رنگ دے دیا کہ سیاست اعلیٰ ایوانوں اور مسلم لیگ کے رئیسوں اور جاگیرداروں کے محلات سے نکل کر گلی کوچے میں آ گئی اور تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کر گئی۔ ہماری رائے میں اگر پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی گاڑی کو حرکت دے کر منزل تک پہنچانا ہے تو اس طبقے کے وارثان اور وابستگان کو متحرک کئے بغیر ناممکن

نہیں تو حد درجہ مشکل کام ضرور ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک موہوم خیال اور قیاس ہے وگرنہ ساٹھ ستر سال پرانے مذہبی عناصر کو تلاش کر کے ان کو جمع کرنا اور ان سے کام لینے کا سوچنا بھی کارعبث ہے۔ تاہم تاریخ کا ہر طالب جانتا ہے کہ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں کم ازکم دو عظیم مواقع پر یہی عناصر شاملِ کارواں ہوئے ہیں تو تحریک نتیجہ خیز ہوئی ہے ورنہ کامیابی کا امکان نہیں تھا اور ایک تیسرا موقع قدرے جزوی اور کم اہم ہے تاہم قابل قدر ضرور ہے۔ آیئے تاریخی ترتیب سے ان تینوں مواقع کے بارے میں ذرا تفصیل میں جاتے ہیں۔

1۔ یہ پہلا موقع ہے 1953ء میں پاکستان کے قیام کے بعد قادیانی حضرات کی سرگرمیوں میں اضافہ سامنے آیا اور بالخصوص اس وقت کے مغربی پاکستان کے دارالحکومت لاہور جو کہ پنجاب کا قلب ہے اس میں ان کا عمل دخل غیر متناسب طور پر بڑھتا محسوس ہوا تو ''تحریک ختم نبوت'' نے جنم لیا یہ تحریک بھی تحریک پاکستان کے اسی خوابیدہ مذہبی عناصر کو ساتھ ملائے بغیر گلی کوچوں میں نہیں پھیلی اگرچہ یہ تحریک مجموعی طور پر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکی تاہم مسلمانوں کے اجتماعی مسئلہ کے لئے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو ساتھ لے کر چلنے کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں کامیاب رہی۔

2۔ دوسرا موقع 1974ء میں پیش آیا یہاں پھر قادیانی حضرات کے لب ولہجہ میں تیزی نمایاں ہوگئی اور پاکستان کو ایک قادیانی ریاست بنانے کے خواب کی تعبیر کے لئے ان کی خفیہ سرگرمیوں کے ظاہری اثرات سامنے آنے لگے تو اس موقع پر بھی فطری طور پر تحریک ختم نبوت برپا ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پاکستان میں پھیل گئی۔

اس موقع پر تحریک نے نہایت کامیابی سے منزلیں طے کیں اور کمال حزم واحتیاط سے آگے بڑھتے بڑھتے پوری طرح کامیابی سے ہمکنار گئی قادیانی فتنہ کا سر کچل دیا گیا اور آئینی طور پر قادیانی حضرات کو کافر قرار دے دیا گیا۔ یہ تحریک ختم نبوت بھی مرہون منت ہے تحریک پاکستان میں شامل تمام مسلم مذہبی عناصر کی بیداری اور حرکت کی وگرنہ یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہوسکتی۔

3۔ تیسرا موقع بھی شاید اسی اتحاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے جلدی دے دیا کہ 1977ء

میں قومی انتخابات کے بعد سیاسی تحریک چلی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک گیر حیثیت اختیار کر گئی سیاسی حیثیت میں اس کی کامیابی کے امکانات معدوم تھے مگر نظام مصطفیٰ ﷺ کے مذہبی نعرے کے بعد مذہبی رنگ غالب آ گیا جس سے تحریک کے مزاج میں حد درجہ قربانی کا جذبہ آ گیا اور سب سے زیادہ اہم بات کہ مذہبی رنگ بھی ایسا کہ وہی تحریک پاکستان کے جذبے کی یاد تازہ ہوگئی اس مرحلہ پر بھی تحریک پاکستان میں شامل تمام خوابیدہ عناصر کو بیدار کر کے اور شعور دے کر اس میں شمولیت پر آمادہ کیا گیا تو بات نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور کوششیں بار آور ہوگئیں۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں مواقع مستقبل کی تحریک کے لئے ایک مثالی خاکہ ہو سکتے ہیں اور شاید کامیابی کا واحد راستہ۔ اس لئے موجود حالات میں جب اسی بات پر غور وخوض ہو تو ہماری استدعا ہے کہ ہماری مذہبی اور دینی قیادتیں اس بات کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیں کہ ہمارے موجودہ سرگرم مذہبی گروہوں (محاذ جنگ پر سرگرم عناصر، سیاسی میدان میں سرگرم جماعتیں اور پرامن مذہبی اور دینی انقلابی عناصر) میں طویل تجربہ اور منظّم افرادی قوت کے باعث شاید مستقبل میں بھی پیش آمدہ حالات میں اہم مناصب انہیں کے پاس رہیں اور مشورے اور تجربہ انہیں کا کام آئے مگر تحریک پاکستان کے ان خوابیدہ مذہبی گروہوں کو شعور انقلاب دیئے بغیر یا نظام مصطفیٰ کا سبق دوبارہ یاد کرائے بغیر پہلے کی طرح آئندہ بھی پاکستان میں نفاذ اسلام کے لئے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔

تحریک پاکستان میں شامل مذہبی عناصر کے غیر فعال رہنے سے دو آتشہ نقصان کا اندیشہ ہے ایک طرف نفاذ اسلام کی کوششیں بے رنگ اور قیام پاکستان کے مقاصد سے الگ تھلک کوئی بات محسوس ہوتی ہیں اس لئے کہ قیادت کرنے والے ہاتھ جب اپنے اکابرین کے تذکرے کرتے ہیں اور ایام مناتے ہیں یا لٹریچر کا حوالہ دیتے ہیں تو تحریک پاکستان کی حمایت کے تذکرے سے خالی ہوتے ہیں لہٰذا عوامی پذیرائی اور عوامی اپیل کا احساس نہیں ہو پاتا جبکہ دوسری طرف تحریک پاکستان میں شامل مذہبی عناصر کے خوابیدہ اور الگ تھلک رہنے سے پاکستان دشمن عناصر کو

شہ مل رہی ہے کہ پاکستان وقتی سے جذبے سے وجود میں آ گیا اس کا کوئی مستقل جواز اور کوئی ٹھوس بنیاد نہیں۔ اگر تحریک پاکستان کا سا جذبہ، اور تمام مذہبی عناصر جنہوں نے تحریک کو کامیاب کیا تھا کو بیدار کر کے اس سازش کا جواب دیا گیا تو پاکستان کی بنیاد میں تزلزل کا خدشہ ہے۔

لہٰذا اس مرحلہ پر اس عوامی بیداری کی اشد ضرورت ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی گزشتہ صدی کی چوتھی دہائی میں تحریک پاکستان چلی اور پھر تین عشروں بعد ساتویں دہائی میں تحریک ختم نبوت اور تحریک نفاذ نظام مصطفےٰ ﷺ برپا ہوئی۔

اب اس تحریک کو پھر تین دہائیاں گزر چکی ہیں اور اس سے پہلے کہ جذبوں کی آگ ہمیشہ کے لئے سرد پڑ جائے اس مذہبی اور انقلابی سوچ کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں کچھ ابتدائی کام ہمارے انتخابی سیاست میں مصروف کار رہنماؤں نے کہا ہے اور متحدہ مجلس عمل کے نام سے جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام سمیت شیعہ مسلک، اہل حدیث مکتبہ فکر اور بریلوی مکتبہ کے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ تاہم یہ کام جزوی اور ابتدائی اس اعتبار سے ہے کہ گذشتہ آٹھ سال کی محنت کے نتیجے میں ہنوز روز اول کا سا سماں ہے۔ اور (خدانخواستہ) ایم ایم اے اب ٹوٹی کہ اب ٹوٹی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہتی ہے اور اس ساری محنت کا حاصل اگر صرف اتنا ہوتا کہ ایم ایم اے سے باہر دینی عناصر یہ سوچ رکھتے اور کاش وہ بھی ایم ایم اے میں شامل ہو جائیں اور انہیں بھی اس کی اجازت مل جائے تو اچھی بات ہے اور اس خوش آئند صورت حال سے ایم ایم اے کا گراف بہت بلند ہو جاتا مگر صورت اس بالکل برعکس ہے اور ایم ایم اے کے بارے میں عوامی تاثرات کا گراف پہلے نیچے جا چکا ہے اس پر مزید یہ کہ ایم ایم اے میں شامل بریلوی حضرات، اہل حدیث مکتبہ فکر کے رہنما اور شیعہ رہنما بھی اپنے پورے مکتبہ فکر کی متفقہ نمائندگی کے منصب پر نہیں ہیں۔ لہٰذا اس ضمن میں سیاسی سطح پر بھی اب بہت زیادہ ہوم ورک (HOME WORK) کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی میدان میں انتخابی سیاست سے الگ انقلابی سوچ کی حامل جماعتوں میں تنظیم اسلامی نے اسلامی انقلابی محاذ کے نام چھ سات سال قبل کچھ کام کیا مگر وہ بھی کسی کی نظر لگ گئی اور

سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

ماضی کے تجربہ کا بھی یہی حاصل ہے حالات کا بھی یہی درس عبرت ہے اور فلسفۂ انقلاب کی مبادیات بھی یہی تقاضا کرتی ہیں کہ ملک میں اسلامی انقلاب یا نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے ملک کی خاموش اکثریت کو شعور انقلاب دے کر بیدار کئے بغیر رب کی دھرتی ۔رب کا نظام کا نعرہ بے نتیجہ ہی رہے گا۔

عملی اعتبار سے ہر چھوٹے بڑے خواص وعوام اور عالم وعامی اور پیر وجوان اور مرشد ومرید سب کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس فرمان نبوی ﷺ کے مصداق جس میں آپ نے دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کرنے کے لئے درجات کا ذکر فرمایا ہے کہ!

کن عالماً او متعلماً او سامعاً ولا تکن رابعاً

عالم بنو (اور دوسروں کو دین کی باتیں بتاؤ) یا دین کی باتیں شوق سے سیکھنے والے ہوتا کہ آگے بیان کرسکو یا سننے والے بنو تا کہ سن کر کم از کم خود تو ضرور عمل کرسکو اور اس کے بعد کوئی درجہ نہیں کہ!

☆ جو مسلمان خود رہنمائی کے منصب پر ہے اپنے آپ کو اس بڑے کام کے لئے اہل سمجھتا ہے تو اس کی دعوت دے اور دوسروں کو ساتھ دینے کے لئے صدا لگا دے۔

☆ نمایاں اہل علم حضرات جو خود اپنے آپ کو 'داعی' کے مقام کا اہل نہیں سمجھتے دوسرے داعی کی پکار تک اسی جذبے کو عام کریں اور پکار اور صدا آئے تو اس کی پکار پر لبیک کہیں اور کسی بات کو اس میں رکاوٹ نہ بننے دیں۔اور ہمارے جیسے عام مسلمان ایسی پکار پر لبیک کہنے کا فیصلہ رکھیں۔

اور ان حالات میں اس سے کم درجہ پر گھر بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں بلکہ کلی خسارے کا معاملہ ہے۔ اعاذنااللہ من ذٰلك

قرآن اکیڈمی ملتان میں خطابات کا سلسلہ
دوسرا خطاب

رسول ہمارا

رحمت اللہ بٹر صاحب

قرآن اکیڈمی ملتان کے زیر اہتمام سلسلہ وار خطابات کا ایک پروگرام ماہ مارچ 07ء میں منعقد ہوا تھا جس کی ترتیب یہ تھی۔

18 مارچ ربّ ہمارا ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (قرآن اکیڈمی فیصل آباد)
19 مارچ رسول ہمارا جناب رحمت اللہ بٹر (ناظم شعبہ دعوت وتربیت تنظیم اسلامی)
20 مارچ قرآن ہمارا انجینئر مختار فاروقی صاحب (قرآن اکیڈمی جھنگ)
21 مارچ منزل ہماری جناب شیخ شجاع الدین صاحب (قرآن اکیڈمی کراچی)
22 مارچ عزم ہمارا جناب خالد عباسی صاحب (ناظم حلقہ شمالی پنجاب وکشمیر)
23 مارچ راستہ ہمارا حافظ عاکف سعید صاحب (امیر تنظیم اسلامی پاکستان)
24 مارچ وطن ہمارا جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی تنظیم اسلامی پاکستان)

اس سلسلے کو حکمت بالغہ کے قارئین تک پہنچانے کے لئے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے کا پہلا خطاب ''ربّ ہمارا'' کے نام سے ماہ اکتوبر 07ء کے شمارے میں شائع ہو گیا تھا اسی سلسلے کا دوسرا خطاب ''رسول ﷺ ہمارا'' شائع کیا جا رہا ہے مقرر تھے چوہدری رحمت اللہ بُٹر صاحب مرکزی ناظم دعوت تنظیم اسلامی پاکستان

یاد رہے کہ یہ خطابات آڈیو ٹیپ سے اتار کر شائع کئے جا رہے ہیں انداز تحریر کی بجائے تقریر کا ہی نمایاں ہے۔ (ادارہ)

نحمد ہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد فاعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم
حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیمO(سورۃ توبہ:128)

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی
یفقھوا قولی۔

حضرات گزشتہ نشست میں آپ نے اس حقیقت کو جان لیا کہ اللہ کو رب ماننے کا تقاضا کیا ہے؟ اسی حیثیت سے ہم اللہ کو رب مان کر عبدیت کے دعویدار ہیں، جان لیجئے کہ انسان کا اصل مقام بھی یہی عبدیت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کو اللہ تعالی نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اپنی جتنی بھی مخلوق بنائی ہے اس میں سب سے زیادہ شرف انسان کو بخشا ہے اور وہ شرف انسان کی عبدیت ہے۔ انسان اللہ تعالی کی سب سے پہلی بھی تخلیق ہے اور آخری بھی، یہ بھی انسان کا معاملہ باقی تمام مخلوقات میں سے UNIQUE (یکتا) ہے باقی جتنی بھی مخلوقات اللہ نے پیدا کی ہیں ان کا وجود ایک ہی ہے۔ لیکن انسان کو اللہ تعالی نے دو وجود دیئے ہیں ایک اس کا روحانی وجود جو نوری الاصل ہے اور اس کو اللہ تعالی نے سب سے پہلے پیدا کیا یعنی ارواح انسانی سب سے پہلی تخلیق ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ارواح کو پیدا کر کے اللہ تعالی نے ان سے ایک عہد لیا جس کا انسان اللہ کے سامنے اقرار کر کے آیا ہے۔ اللہ نے پوچھا کہ (الست بربکم) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (قالو بلی شھدنا) ''تو ہم میں سے ہر ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ کیوں نہیں ہم اس پر گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہے'' یہ جو ہم اللہ تعالی کی ربوبیت کی شہادت دے کر آئے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ واقعی ہم اس کے بندے بن کر یہ زندگی گزاریں۔

اور جس کو اللہ تعالی کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس سے بڑا اس کے لئے کوئی اور شرف نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی اسی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی طرف نسبت کی ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کے شروع میں فرمایا (سبحان الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ) ''پاک ہے وہ ذات جو

لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصی کی طرف رات کے ایک حصے میں'' اگلی سورت کہف میں پھر ذکر ہے۔(الحمد لله الذی انزل علی عبده الکتٰب)''سارا شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی''۔ یہاں بھی اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو اپنا بندہ فرمایا ہے۔سورۃ فرقان میں بھی یہی ہے کہ(تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده) ''بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اس قرآن کو نازل کیا اپنے بندے پر''۔اللہ تعالی نے نبی اکرم کو اس زندگی میں ہی آسمانوں کی سیر کروائی، جنت اور دوزخ دکھلائی اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے پھر ہم کلامی فرمائی۔اس کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا!(فاوحٰی الی عبده ما اوحیٰ)''اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی''معلوم ہوا کہ اصل مقام عبدیت ہے۔ اور جسے اللہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس سے بڑا اور کوئی شرف نہیں ہے اس سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے۔یہی ہے جسے علامہ اقبال نے بہت اچھے پیرائے میں فرمایا!

؎ عبد دیگر،عبدۂ چیزے دیگر ایں سراپا انتظار اُو منتظر

''بندہ ہونا اور چیز ہے اور اللہ کا بندہ ہونا اور چیز ہے یہ بندہ تو اللہ تعالی کی عنایتوں کا منتظِر ہے اور اُس عبدہ کا وہاں انتظار ہو رہا ہے''۔ یہ عبدیت انسان کا اصل مقام ہے اس میں بھی اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو یکتا مقام دیا ہے۔

اور تمام انسانیت میں سے ایک ہی انسان کو وہ مقام ملنے والا ہے جسے مقام محمود کہا جاتا ہے اور یہ مقام بھی نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالی عطا فرمائیں گے۔اور اسی نسبت سے آپ سب سے پہلے اولین شافع محشر ہیں یہ مقام ہے جو اللہ تعالی نے انہیں دیا ہے۔جان لیجئے کہ انسان کی عبدیت کا ظہور اس کے اخلاق و کردار میں ہوتا ہے۔اس لئے اللہ تعالی نے دوسری ہی وحی میں اس چیز پر صاد کیا کہ(وانك لعلی خلق عظیم) اے ہمارے رسول ﷺ آپ تو نبوت سے پہلے بھی اخلاق کی معراج اور عظمتوں پر تھے۔اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ''اصل میں مجھے اللہ تعالی نے بھیجا ہے اجتماعی اخلاق کو پورا کرنے کے لئے''

ایک ہے ذاتی اخلاق یہ بھی عبدیت کا ظہور ہے اور ایک ہے اجتماعی اخلاق یعنی تمام انسانوں کے لئے وہ رہنمائی دینا، وہ رہبری دینا کہ جو انسانوں کی ضرورت ہے اس لحاظ سے نبوت

سے پہلے ہی معاشرے سے آپ صداقت اور امانت کی سند لے چکے تھے جب پہلی وحی آئی تو نبی اکرم ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوئی تو آپ ﷺ نے آکر رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ مجھے کمبل اوڑھادو مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ انہوں نے کہا آپ ﷺ کیوں گھبرا رہے ہیں اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ سچ بولنے والے ہیں، صلہ رحمی کرنے والے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، مجبور اور بیکسوں کو سہارا دیتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ یہ وہ معاملہ ہے جس کی گواہی گھر سے ہی مل گئی اور گھر سے بڑی گواہی کوئی نہیں ہوسکتی۔ جس سے انسان کو واسطہ ہر وقت کا ہو اس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے۔ یہ ہے جسے اللہ تعالی نے اس آیت میں صادکیا ہے۔

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رء وف رحیمo (سورۃ توبہ:128)

''لوگو! تمہارے پاس رسول ﷺ آچکے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں، (یعنی انسانوں میں سے ہیں وہ انسانیت کی معراج ہیں، انسانیت کے سید ہیں، سید وُلد آدم علیہ السلام ہیں) انسانو! جو چیز تمہیں مشکل نظر آئے، تمہیں دکھ پہنچ رہا ہو ان ﷺ پر بڑا شاق گذرتا ہے۔ (یہ ہے انسانی ہمدردی کا جذبہ جو نبی اکرم ﷺ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اللہ تعالی رسولوں کو یہ جذبہ دے کر بھیجتا رہا تا کہ انسانیت جو بھی زندگی گزارے اس میں تمام انسانوں کے حقوق اور ان کے فرائض معین ہوں تا کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے اس کی صادکی جارہی ہے کہ وہ ﷺ تو پہلے ہی سے تم پر بڑے ہی حریص ہیں کہ تمہاری تکلیفیں دور ہوں، انسانیت کو سکھ ملے، انسانیت کو عدل ملے اور انصاف ملے۔ نبوت کے بعد تو ساری زندگی ہی انسانی ہمدردی کے لئے تھی ہی لیکن نبوت سے پہلے بھی یہ پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کے لئے ہر وقت کڑھتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیوں ظلم ہو رہا ہے؟ جب وہ غلاموں کو دیکھتے تھے کہ یہ انسان ہوتے ہوئے انسان کی تذلیل ہو رہی ہے۔ ان کے دل پر بڑا شاق گذرتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ غلاموں میں سے بہت سے لوگ بہت جلدی کیوں ایمان لے آئے حالانکہ انہیں کہاں وقت ملتا تھا ان چیزوں کو سوچنے کا، ان چیزوں پر غور وفکر کرنے کا کہ کیا دعوت آئی ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ وہ تو بے چارے پسے

ہوئے تھے ہر وقت غلامی میں لگے ہوئے تھے۔ اسلئے انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ان غلاموں کے ساتھ پہلے سے تعلق رہتا تھا۔ آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے کہ چکی پیس رہے ہیں، برا حال ہے لیکن آقا کا حکم ہے تو آپ ﷺ کہتے بلال تم آرام کرلو میں تمہاری جگہ چکی پیس دیتا ہوں۔ یہ تعلق تھا جس کی وجہ سے غلاموں کا آپ کی طرف رجوع ہوا۔ اور آپ ﷺ جو کچھ کماتے اسے جمع نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے لگا دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن بڑی غمگینی کی حالت میں نبی اکرم ﷺ گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ فرمایا ایک قافلہ آیا ان کے بدن پر کپڑے نہیں ہیں، پاؤں میں جوتے نہیں، کھانے کو ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں ان کی مدد کروں میں غم سے نڈھال ہوں۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اچھا یہ معاملہ ہے تو قریش کے کچھ سرداروں کو بلا لیجئے آپ ﷺ گئے اور بلا کر لے آئے انہوں نے اتنی دیر میں اشرفیاں نکال کر صحن میں ڈھیر لگا دیا۔ اتنی جمع کر دیں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا اسکے پیچھے چھپ گیا۔ جب قریش کے سردار آئے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنھا نے انہیں گواہ ٹھہرایا اور کہا کہ یہ ساری دولت محمد (ﷺ) کی ہے ــــــــــــ وہ دولت کہاں گئی؟ اس سے کوئی گھر نہیں بنایا، اس سے کوئی کاروبار نہیں کیا، وہ ساری دولت بے سہاروں کا سہارا بننے میں لگائی، غریبوں کی غم خواری میں لگائی، اور بے کسوں کی امداد میں خرچ کی۔ یہ وہ پہلو ہے جسے فرمایا جارہا ہے انك لعلى خلق عظيم آپ تو کردار کی بلندیوں پر تھے۔ یہی وہ چیز ہے کہ توراۃ میں نبی اکرم ﷺ کی بشارت دی گئی وہاں پر بھی اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کا یہی وصف اجاگر کیا ہے۔

اور سورۃ اعراف میں جس مقام پر یہ ذکر ہے کہ جب قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو نہیں مانیں گے کہ جب تک اللہ کو نہ دیکھ لیں حضرت موسی علیہ السلام نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں سمجھے تو آپ ان میں سے ستر آدمیوں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ کے سامنے مطالبہ رکھ دیا۔ اللہ نے ایسی کڑک بھیجی کہ سب پر موت طاری ہوگئی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ ان بیوقوفوں کی وجہ سے تو ہمیں عذاب میں ڈالے گا۔ ہم

طرف رجوع کرتے ہیں تو معاف فرما اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نیکی لکھ دے اس کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا ایک تو میری عام رحمت ہے جو تمام انسانوں کے لئے ہے۔لیکن ایک میری خاص رحمت ہے اور وہ ان لوگوں کے لئے ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونهٗ مکتوباًعندهم فی التوراة والانجیل یأمرهم بالمعروف وینهٰهم عن المنکرو یحل لهم الطیبٰت ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلٰل التی کانت علیهم (اعراف:157)

یعنی میری خاص رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو میرے اس رسول امی کی پیروی کریں گے جس کے اوصاف تورات اور انجیل میں بیان ہوئے ہیں کہ وہ نبی امی لوگوں کو نیک باتوں کا حکم کریں گے کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، بجائے اس کے کہ انہیں لوٹ لو۔اور وہ نبی بری باتوں سے روکیں گے۔اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے اور جو بری خبیث چیزیں ہیں انہیں حرام کریں گے اور ان سے ان کے بوجھ اتاریں گے اور ان کے گلے میں جو طوق پڑے ہوں گے انہیں بھی ختم کر دیں گے۔ یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں کہ جب بھی ظلم کا نظام آتا ہے تو جن کے ہاتھ میں اقتدار آجاتا ہے جن کے ہاتھ میں مفادات ہوتے ہیں وہ دوسروں کو ڈھور ڈنگر (حیوان) بنا دیتے ہیں اور ایسی ایسی رسمیں ایجاد کرتے ہیں اپنی دولت کی نمائش کے لئے کہ لوگوں کے لئے زندگی بسر کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔تو فرمایا کہ وہ نبی نوع انسان کی بھلائی لے کر آئیں گے اور ان کے بوجھ ختم کریں گے۔ان کے گلے میں جو طوق پڑے ہوں گے ان کو وہ ختم کر دیں گے۔

یہ پہلو جس کا ان آیات میں ذکر ہوا ہے رسول اللہ ﷺ کا ذاتی رتبہ اور مقام اور آپ کی ذاتی حیثیت تھی رسالت تو ایک منصب ہے جو اللہ نے انسانوں میں سے چن کر کچھ انسانوں کو عطا فرمایا اور ان میں سے بھی اللہ تعالی نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان کی مختلف نسبتیں ہیں ان میں سے بعض اولوالعزم رسول ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ہے ''خلیل اللہ'' حضرت موسی علیہ السلام کی ''کلیم اللہ'' اور حضرت عیسی علیہ السلام

کی ''روح اللہ'' اور حضرت محمد ﷺ کی ''رسول اللہ'' ہے۔ اور جان لیجئے یہ نسبت جو اللہ نے انہیں عطا کی ہے بہت بڑی نسبت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالی نے منصب رسالت دیا ہے اس کا حق کہیں ادا ہوا ہے تو وہ پوری نوع انسانی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آخری رسول ﷺ نے حق رسالت اس دنیا میں تکلیفیں جھیل کر قدم بقدم چل کر پورا کیا ہے۔ وگرنہ پہلے رسولوں کا منصب جو ہے وہ اللہ تعالی معجزوں سے پورا کرتا رہا ہے اس لئے کہ اصل ان کا مقام اس منصب کے لحاظ سے بھی رسول اللہ ہے۔ اللہ تعالی رسول کس غرض سے بھیجتا ہے۔ اللہ تعالی نے تمام رسول کے بارے میں فرمایا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ (الحدید 25)

ہم تمام رسولوں کو بھیجتے رہے ہیں بینات دے کر یعنی ایسی نشانیاں دے کر کہ قوم پہچان لے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ کیونکہ اگر انسان رسول کو پہچانے نہیں تو حجت قائم نہیں ہوئی۔ اور اللہ اپنے رسولوں کے ذریعے سے حجت قائم کرتا ہے اور یہ بھی قرآن مجید میں رسولوں کے بارے میں صاف صاف بتادیا رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ۔ (آیت 165) ''اللہ اپنے رسولوں کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجتا رہا تا کہ لوگوں کے پاس قیامت کے دن کوئی عذر نہ رہ جائے رسولوں کے بھیجنے کے بعد'' اور جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے وہ پہچان لیتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں ماننا نہ ماننا اس وجہ سے نہیں کہ وہ جانتے نہیں تھے اچھی طرح جانتے تھے، اللہ تعالی وہ معجزے دے کر اپنا رسول بھیجتا تھا جس سے ہر قوم پہچان لیتی تھی کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ کیا اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ پتا نہیں چلتا تھا، اس کے شواہد ہیں کہ لوگ پہنچان کر نہیں مانتے تھے۔ نبی اکرم کے بعد سب سے زیادہ ذکر قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ ان کو کن کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا؟ فرعون کی طرف، کیا فرعون نہیں جانتا تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ جانتا تھا بلکہ اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس کی شہادت موجود ہے اللہ تعالی گواہی دے رہا ہے کہ جب ان کے پاس نشانیاں آئی ہیں

انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ وجحدوا بھا و استیقنتھا انفسھم ظلماً و علواً (نمل 14) ''اوران کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل پوری طرح یقین رکھتے تھے (کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) کس وجہ سے نہیں مانا ظلماً وَ علواً ظلم کرتے ہوئے اور اپنی برتری کی وجہ سے''۔ کیا خیال ہے نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے جس قوم میں بھیجا تھا انہوں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ اس امت کا فرعون کون تھا؟ ابوجہل! کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ محمد ﷺ سچے رسول ہیں وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم میں مولانا زکریاؒ کاندھلوی نے لکھا ہے کہ ابوجہل سے کسی نے پوچھا کہ کیا تمہیں یقین نہیں کہ محمد ﷺ سچے ہیں کہنے لگا کہ اللہ کی قسم انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کہا پھر مانتے کیوں نہیں۔ اس نے کہا اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارا اور بنو ہاشم کا شریکا ہے۔ ہم ان کے حریف ہیں ہم ان کے ہم پلہ ہیں اور وہ ہمارے ہم پلہ ہیں وہ بھی سردار اور ہم بھی سردار ہیں۔ آج ان کے سردار کو مانوں تو نیچے لگنا پڑتا ہے یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ یہ ہے اس بات کی حقیقت کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو نشانی دے کر کیوں بھیجتا تھا ــــــــــــــ اور اللہ ہر رسول کو کتاب اور میزان دے کر بھیجتا تھا تاکہ لوگوں کے اندر عدل اجتماعی قائم کیا جائے اور وہ عدل اجتماعی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی 23 سالہ زندگی میں اس دعوت کو لیکر اس کے مطابق لوگوں کو جمع کر کے اور پھر مرحلے کے تقاضے پورے کر کے اللہ تعالی کے عدل اجتماعی کے نظام کو نافذ کر کے دکھایا۔ اس سے پہلے کسی رسول کی جدوجہد سے نہیں ہوا اس سے پہلے اگر کسی رسول کے ذریعے قائم ہوا ہے تو وہ معجزے سے ہوا ہے۔ جہاں تک اللہ کے رسول دعوت دیتے تھے قوم نہیں مانتی تھی اور اللہ کا دین قائم کرنا، عدل اجتماعی قائم کرنا لازم تھا۔ تو کیا ہوتا تھا اللہ اپنے رسول اور اس کے ماننے والوں کو ہجرت کروا کر پیچھے پوری پوری قوم کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایسا نہیں ہوا۔ آپ نے بھی تیرہ سال دعوت دی مکہ والے نہیں مانے۔ ہجرت کروائی آپ کو بھی اور آپ کے ساتھیوں کو بھی۔ پیچھے مکہ والوں پر عذاب نہیں بھیجا۔ اگر عذاب بھیج کر دین کو غالب کر دیتا تو ہمارے لئے کوئی اسوہ اور نمونہ نہ رہتا۔ اللہ نے رسول کو ہجرت کروائی اور آپ کے ساتھیوں سے بھی وطن چھڑوایا اور پھر قدم بقدم پوری جدوجہد کروا کر اللہ کے دین کو غالب کیا۔ تاکہ بعد والوں کے لئے اسوہ ہو جائے اور نمونہ ہو جائے۔ یہ سارے رسولوں علیہم السلام میں نبی اکرم ﷺ کی یکتا

شان ہے۔اللہ تعالی نے رسالت کا جومنصب دیا ہے اگر انسانی سطح پر اس کا حق ادا ہوا ہے تو نبی اکرمﷺ وہ آخری اور پہلے رسول ہیں جنہوں نے دین کو غالب اور نافذ کر کے یہ حق ادا کیا۔

نبی اکرمﷺ پہلے اور آخری رسول ہیں جو تمام قوموں کے لئے آئے ہیں باقی تمام نبی کسی نہ کسی خاص قوم کی طرف آئے ہیں۔حضرت نوح ،حضرت ہود اور حضرت شعیب علیہم السلام ان سب کو اپنی قوم کی طرف بھیجا۔لیکن نبی اکرم کو کسی خاص قوم کی طرف نہیں بھیجا۔وماارسلنٰك الا کافۃً للناس بشیراً ونذیر اً (سبا28) واحد نبی ہیں جو پوری انسانیت کے لئے آئے ہیں یہ انﷺ کا مقام ہے رسولوں کی جماعت میں۔

اللہ تعالی انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی ہدایت نازل کرتا رہا۔اور رسول اکرمﷺ واحد رسول ہیں جن پر اپنی ہدایت کی نعمت کو مکمل کیا۔اور اپنے دین کو بھی مکمل کیا۔اور اسے پھر قیامت تک کے لئے پسند کیا اور فرمایا

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت
لكم الاسلام دينا ۔(المائدہ۔4)

اے لوگو ہم نے (اپنے رسول کے ذریعے) تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت ہدایت بھی پوری کر دی۔اور اب یہ دین قیامت تک تمام انسانیت کے لئے ہم نے چن لیا۔یہ آخری دین ہے جو اللہ نے قیامت تک انسانیت کے لئے پسند فرمایا۔اس لئے اس کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ اس کو نافذ کرو بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو باقی دینوں پر بھی غالب کر دو۔ نبی اکرمﷺ کے لئے تین دفعہ ایک آیت قرآن میں نازل ہوئی۔

ھوالذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ''وہ اللہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدی (کامل ترین ہدایت) دے کر'' جو پہلی کتابیں ہیں وہ اس قرآن مجید کا حصہ ہیں قرآن مجید میں ان کے بارے میں آتا ہے او تونصیباًمن الکتٰب انہیں تو کتاب کے کچھ حصے دیئے گئے تھے پوری کامل کتاب جو ہے وہ نبی اکرمﷺ کو ملی ہے۔ ودين الحق ليظهره على الدين كله" اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے غالب کیا جائے پورے کے پورے نظام زندگی پر اور سارے دینوں پر، کیونکہ یہ آخری

دین ہے جو اللہ تعالی نے پوری انسانیت کے لئے اور قیامت تک کے لئے پسند کیا۔ یہ آیت تیسری مرتبہ 9ھ میں نازل ہوئی جبکہ جزیرہ عرب پر اللہ کا دین غالب ہو گیا تھا اللہ کی حاکمیت اور ربوبیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا نبی اکرم ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی مان لیا گیا تھا۔ تیسری بار جب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ یہ دین صرف جزیرہ نما عرب تک غالب کرنے کے لئے نہیں بلکہ باقی سارے دینوں پر غالب کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ الفاظ قرآن مجید کے ہیں۔ کاش کہ ہم میں سے ہر ایک اس طرف توجہ کرے پھر پتا چلے گا کہ نبی اکرم ﷺ کا فریضہ کیا تھا اللہ نے کیا حیثیت دی تھی اور انہیں کیا دے کر بھیجا تھا۔ اور اس کی نسبت سے ہماری ذمہ داری کیا ہے سورۃ توبہ میں فرمایا! وقاتلوا الذین لایؤمنون بالله ولا بالیوم الاٰخر (آیت29) اے مسلمانوں تمہاری جنگ ختم نہیں ہوئی کہیں یہ سمجھو کہ جزیرہ نما عرب پر اللہ کا دین غالب ہو گیا اور نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت پورا ہو گیا۔ تمہاری جنگ جاری رہنی چاہئے کن سے ان انسانوں سے جو اللہ اور آخرت کے دن کو نہیں مانتے۔ ولا یحرمون ماحرم الله ورسوله اور جوان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دے دیا۔ جان لیجئے کہ یہ واحد موقع ہے قرآن مجید میں کہ یہاں حرمت کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ یہ حرام کرنے کا اور حلال کرنے کا اختیار اللہ کا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی حرام اور حلال کا ذکر ہوا وہاں یہ بیان ہوا کہ اللہ نے حرام کیا اور اللہ نے حلال کیا اور یہاں یہ ذکر ہے کہ صرف اللہ نے ہی حرام قرار نہیں دیا بلکہ جن چیزوں کو رسول نے بھی حرام قرار دیا ہے انہیں بھی وہ حرام مانیں گے تو وہ پھر اللہ کے دین پر ہوں گے۔ اور اگر وہ ان کو حرام قرار نہیں دیتے تو تمہارے لیے ان کے ساتھ بھی جنگ ہے۔ ولا یدینون دین الحق اور (تمہاری جنگ ان لوگوں کے ساتھ جاری رہنی چاہئے) جو اس دین کو دین الحق قبول نہیں کرتے۔ کون؟ من الذین اوتو الکتٰب وہ کہ جن کو ہم نے پہلے کتابیں دی ہیں۔ حضرت موسی علیہ السلام، حضرت عیسی علیہ السلام کس کا دین لے کر آئے تھے؟ اللہ ہی کا دیا ہوا۔ آج ان ادیان کی حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ آج ان اہل کتاب کو اپنے دین کو چھوڑ کر دین حق قبول کر لینا چاہئے یہ اس دین کی حیثیت ہے جو نبی اکرم ﷺ لیکر آئے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ جو پہلے دین کو ماننے والے ہیں سابقہ کتابوں کے حامل ہیں دین حق کو

نہیں مانتے ان کے بارے میں حکم ہے کہ!

حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون

''اپنے ہاتھ سے جزیہ دے اور چھوٹے ہو کر رہیں''

یہ ہے وہ حیثیت جو اللہ نے دین الحق کی قرار دی ہے۔ دین الحق کو رائج ہونا چاہئے، جو نظام اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو دیکر بھیجا ہے وہ عدل وقسط کا نظام ہے اس کی بنیاد پر لوگوں میں عدل وقسط ہونا چاہئے۔ پہلی کتابوں والے اگر اس کو نہیں مانتے تو ان پر جبر نہیں کیا جائے گا لیکن وہ اپنے دین کو مذہب بنائیں گے اب وہ دین نہیں رہا۔ ان میں سے جس کا جی چاہے مانے ہم جبر نہیں کریں گے یا وہ لوگ اپنی رسومات عبودیت اپنی نماز روزہ جیسے جی چاہے ادا کریں لیکن دین الحق کے تابع رہنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالی نے اسی دین الحق کو پوری انسانیت کے لئے پسند کیا ہے اب اسی کو غالب ہونا چاہئے اسی کا نظام ہوگا عدل وقسط کا وہ نظام ہوگا جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دیکر بھیجا ہے دین الحق کی صورت میں۔ وہ غالب ہونا چاہئے اور انہیں اس کے نیچے لگ کر جزیہ دے کر اس کے تابع ہو کر رہنا چاہئے یہ ہے اس دین کی حیثیت جو اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکر بھیجا۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دین کو پورے جزیرہ نماء عرب کی حد تک غالب کر کے حجۃ الوداع کے موقع پر ان تمام لوگوں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے گواہی بھی لی ہے یہ وہ گواہی ہے جو ہر رسول کو قیامت کے دن دینی ہے۔ نبی اکرم ﷺ یہیں گواہی لے گئے۔ پوچھا الاھل بلغت ؟ لوگو میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو حاضرین نے اس ایک سوال کے تین جوابات دیئے کہ!

نشھد انك قد بلّغت وادّیت ونصحت

اے اللہ کے رسول ہم گواہ ہیں کہ آپ نے نہ صرف پہنچا دیا بلکہ حق امانت بھی ادا کر دیا اور حق خیر خواہی بھی ادا کر دیا۔

حق خیر خواہی کا مطلب بھی جان لیجئے کہ کتنا ہی اعلی نظریہ ہو اور کتنا ہی اچھا پیغام ہو اگر اس پر عمل کر کے نہ دکھایا جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اسے خیالی جنت کہا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ جو پیغام لے کر آئے اور ہمیں دیا وہ خیالی جنت نہیں لائے بلکہ اس پر عمل کر کے لوگوں

کے لئے نمونہ بھی دیا تو یہ ہے کہ آپ نے اس کا حق خیر خواہی بھی ادا کیا۔اب یہ وہ حق خیر خواہی ہے جو آپ ﷺ نے اس امت کے ذمے لگایا اس لئے فرمایا فلیبلغ الشاھد الغائب کہ جو لوگ گواہی دے رہے ہیں ان کی اب یہ ذمہ داری ہے کہ جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا ان تک اس کو پہنچائیں حضرت محمد ﷺ کے آخری رسول ہونے کی نسبت سے اللہ تعالی نے اس امت کو نوازا اور اس کو خیر امت قرار دیا ہے۔کہ جو پیغام نبی اکرم ﷺ لے کر آئے تھے اس کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری اس امت کی لگا دی کہ یہ کام اب تم نے کرنا ہے۔

اس لحاظ سے سورۃ الحج کی آخری دو آیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں قرآن کریم کی ان آیات میں نازل ہونے کی ترتیب سے سب سے پہلا خطاب یا ایھا الذین آمنوا کے الفاظ سے ہوا ہے پہلی مرتبہ اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو یہ خطاب فرمایا اور اس خطاب میں امت کے انفرادی فرائض بھی بیان کر دیئے اور آخری امت ہونے کی حیثیت سے جو اس کے تقاضے ہیں وہ بھی بتا دئے۔انفرادی فرائض کیا بیان کئے؟

یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا ''اے ماننے والو رکوع کرو سجدہ کرو یعنی ارکان اسلام ادا کرو واعبدو ربکم اور اپنے رب کی بندگی کرو (پوری زندگی میں اس کی عبدیت اختیار کرو)۔وافعلوا الخیر بھلائی کے کام کرو یعنی بنی نوع انسان کے کام آؤ، بجائے ان پر ظلم کرنے کے ان کو دھوکے دینے کے ان کو لوٹ کر کھانے کے ان کے ساتھ احسان کرو، لعلکم تفلحون تا کہ تم فلاح پاؤ۔یہ ہیں تین تقاضے جو اللہ تعالی ہر بندہ سے کرتا ہے۔اگلی آیت میں فرمایا وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ اے مسلمانو (تمہیں اپنے لئے ہی نہیں جینا ہے بلکہ) اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔قرآن مجید میں جہاد کے موضوع پر یہ سب سے گاڑھی آیت ہے کیوں ھو اجتبٰکم اس اللہ نے تمہیں SELECT کر لیا ہے۔اس اللہ نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔یہ نبی اکرم ﷺ کے آخری رسول ہونے اور حق رسالت ادا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے ہمیں یہ مقام دیا ہے کہ اللہ تعالی نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔یہ وہی لفظ ہے جو ہم نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ کی دو نمایاں شانیں ہیں۔ایک ہے محمد مصطفٰی ﷺ اللہ کے چنیدہ۔نبوت میں سب سے اونچا مقام انہی کا ہے۔اور دوسری شان ہے احمد مجتبٰی

ﷺ یہ رسالت کا نام ہے جو پہلی کتابوں میں آیا ہے۔ کہ ان کی اصل حیثیت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس لئے امت کے لئے یہاں وہ لفظ لایا گیا ھو اجتبٰکم اس اللہ نے تمہیں بھی اجتباء کرلیا ہے۔ یہ مقام ہمیں نبی اکرم کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اس امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے فرمایا کنتم خیر امة اخرجت للناس اے مسلمانو! تم وہ بہترین امت ہو جسے اللہ نے انسانوں کے لئے برپا کیا ہے۔ تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتؤمنون بالله کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دو برے کاموں سے روکو اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کرو۔ اور اسی بنیاد پر اللہ تعالی نے ہمیں امت وسط قرار دیا ہے۔ وکذٰلك جعلنکم امةً وسطاً ہم نے تمہیں امت وسط قرار دیا ہے اس وسط سے مراد یہ ہے کہ تمہیں فریضہ رسالت کی کڑی بنا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا پیغام انسانوں تک اسی طرح پہنچا ہے کہ اللہ سے لیا رسول ملک نے، اور وہ پہنچاتے رہے رسول انسان کو اور نبی اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے وہ کسی خاص قوم کی طرف رسول تھے وہ بنفس نفیس پیغام ان تک خود پہنچاتے تھے تو ان کی رسالت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالی نے کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا، کسی زمانے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ قیامت کے دن تک کے زمانے اور انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ تو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے اپنے اس پیغام کو امت تک پہنچایا اور پھر اس امت کی ذمہ داری لگائی کہ اب انہیں اس پیغام کو ہر دور تک پہنچانا ہے۔ تو اس طرح اس امت کو رسالت کی کڑی بنا دی۔ کس لئے؟ لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً اس لئے کہ جیسے اللہ کے رسول نے تم پر دین کی گواہی دی ہے اسی طرح تم بھی باقی انسانیت پر گواہ بن جاؤ۔ یہ ہماری نسبت ہے جو نبی اکرم ﷺ کے آخری رسول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی نے ہمارے لئے قائم کی ہے اور ہمیں خیر امت قرار دیا ہے۔

اب میرے اور آپ کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ خیر امت ہونے کا تقاضا کیا ہے؟ تو اس کا سب سے پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ چونکہ ہم نے حضرت محمد ﷺ کو رسول مانا ہے تو ان کی حیثیت ہر بندۂ مؤمن کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے اگر تم مانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں وہ رسول دیئے ہیں جن کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ پہلے اور آخری رسول ہیں جن کا لقب بھی

رسول اللہ جن کی حیثیت بھی رسول اللہ قرار دی گئی اور فریضۂ رسالت کا حق بھی انسانی سطح پر پوری جدوجہد کر کے اگر کسی نے ادا کیا ہے تو وہ بھی صرف آپ ﷺ ہی تھے۔اس لئے ان کو ماننے کا پہلا تقاضا قرآن پاک نے قرار دیا ہے۔

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجه امھاتھم

کہ نبی ایمان والوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب پیارا ہونا چاہئے اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اللہ تعالی نے تمہاری مائیں قرار دے دیا ہے۔

تو پہلا تقاضا ہم پر جو عائد ہوا وہ ''حب رسول ﷺ'' ہے۔اور آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام دیا ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اس وقت تک نہ اللہ تعالی کی محبت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ اس کے گناہوں کی بخشش ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار نہ کر لے۔اللہ نے ان کی اتباع کو لازم قرار دے دیا ہے۔

چنانچہ سورۃ ال عمران میں فرمایا!(قل ان کنتم تحبون الله)اے ایمان والو! اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں محبوب بنالے تمہیں اس کی محبت مل جائے فاتبعونی تو تم میری اتباع کرو میرا راستہ اختیار کرو(یحببکم الله) اللہ تمہیں محبوب بنالے گا۔تمہیں بھی محبت حاصل ہو جائے گی (ویغفر لکم ذنوبکم) اور اللہ تمہارے بھی گناہ معاف فرمادے گا۔(والله غفور رحیم) اللہ تو ہے ہی بخشنے والا رحم کرنے والا۔یہ ہے ان کی حیثیت ہمارے لحاظ سے جو ہمیں سوچنے سمجھنے کی ہے۔ایک تو اپنی جان سے بھی زیادہ ان کی محبت اور احترام ہو یہاں تک قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا۔یاایھاالذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ''اے ایمان والو! تمہاری تو آواز بھی بلند نہیں ہونی چاہیے نبی اکرم ﷺ کی آواز سے'' ولاتجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض اور دیکھو ان کا نام لیتے ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ذکر ایسے نہ کرنا جیسے ایک دوسرے کا ذکر آپس میں کرتے ہو اگر اس چیز کو سامنے نہیں رکھو گے ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون تمہارے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا ساری محنت ضائع ہو جائے گی اور تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔کہ میں نے کیا کیا۔ یہ ہے ان کا احترام ان کی حیثیت اور ان سے محبت کا تقاضا اور ہر بندۂ مؤمن کی یہ زندگی کا مقصد

ہے کہ اللہ سے محبت حاصل ہو اور اس کے گناہ معاف ہوں اس کے لئے اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو لازمی قرار دیدیا ہے ان کی پیروی کرو پھر اللہ کی محبت بھی ملے گی اور گناہ بھی معاف ہونگے یہ ہے جسے دوسرے الفاظ میں اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یہ ہے جو اللہ نے تمہارے لئے نمونہ رکھ لیا ہے۔ جتنے بھی رسول آئے ہیں جب انکو امتوں نے نہیں مانا۔ تو اللہ تعالی رسول اور اس کے متبعین کو ہجرت کروا کر پیچھے عذاب بھیجتا رہا قوموں کو ملیا میٹ کرتا رہا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ نہیں کیا۔ معجزے سے دین غالب نہیں کیا گیا۔ انہیں مدینہ میں پناہ دی اور اس کے بعد قدم بقدم چل پوری توانائی لگا کر فقر و فاقہ کاٹ کر ساری تکلیفیں کاٹ کر سارے مراحل طے کر کے اللہ کے دین کو غالب کر کے لوگوں کے لئے اسوہ بنایا۔ وہ اسوہ ہے جو ہمارے لئے زندگی کا نمونہ ہے۔ اس کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالی کی محبت اور گناہوں کی معافی چاہتے ہو تو ان کی اتباع کرو یہ اتباع کیا ہے؟ اتباع دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، محبت اور اطاعت یہ دونوں چیزیں اگر نبی ﷺ کے لئے سب سے زیادہ نہیں ہوں گی اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ محبت کا پیمانہ یہ ہے کہ تمہیں تو اپنی جانوں سے بھی اولیٰ ہونا چاہئے اور اطاعت کا معاملہ کہ اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت میں ہی ہے۔ ان کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں اس کے کبھی کبھی گُن بھی گاتے ہیں لیکن کبھی وہ پیمانہ اپنے آپ پر بھی نافذ کیا کہ واقعی نبی اکرم ﷺ اللہ تعالی کے بعد مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں، اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میں اس کے لئے ایک پیمانہ دے رہا ہوں۔ ذرا اس پر اپنے آپ کو دیکھ لیں اگر اس پیمانے پر پورا نہیں اترتے تو اللہ کی محبت حاصل ہوگی نہ گناہوں کی معافی ہوگی۔ دیکھئے ہر شخص یہ سوچے کہ وہ زندگی گزارنے کی کونسی روش اختیار کرتا ہے کونسا لباس اختیار کرتا ہے کونسی بود و باش اختیار کرتا ہے کونسی وضع قطع اختیار کرتا ہے جو اس کے نفس کو پسند ہو اور اس کے نفس کو اچھی لگے وہی کرتا ہے۔ اور اگر اس کی چاہت اور پسند نبی کی چاہت اور پسند کے تابع نہیں ہے تو اسکی محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ دعویٰ محبت کا ہے لیکن ان کی وضع قطع پسند نہیں۔ ان کی زندگی گزارنے کا طریقہ بھی پسند نہیں تو دعویٰ کیوں ہے۔ انسان ہمیشہ وہی چیز اختیار کرتا ہے جو اس کے دل کو اچھی لگے تو یہ پیمانہ ہے ذرا اس پر اپنے ایمان کو تول لیجئے گا۔ کسی کو کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہر شخص اپنا جائزہ لے لے۔ کہ واقعی میرا ایمان بالرسالت ہے کہ نہیں ۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمادیا لایؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده و الناس اجمعین۔ ''تم میں سے کسی کا مجھ پر ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں محبوب تر نہ ہوجاؤں اس کے والدین سے بھی اس کی اولاد سے بھی تمام انسانیت سے'' تو اس پیمانے کو ہمیں سامنے رکھنا چاہئے اگر ہمیں ان کی صورت بھی پسند نہ ہو، ان کا رہنا سہنا بھی پسند نہ ہو، ان کی زندگی کا طرز بھی پسند نہ ہو جن کو اللہ اسوہ قرار دے رہا ہے پھر دعویٰ کا ہے کا ہے؟ اور دوسرا تقاضا ہے اطاعت۔ اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا گیا ہے ''یہ لوگ مؤمن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ ان کے معاملے میں جو تم فیصلہ کردو اس پر وہ اپنے دل میں بھی کوئی کھٹکا محسوس نہ کریں'' اور رسول ﷺ نے بھی فرمادیا لایؤمن احد کم حتیٰ یکون هواه تبعا لماجئت به "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ہوائے نفس تابع نہ ہو اس کے جو میں لے کر آیا ہوں''۔ رسول ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اپنا رہنما بنا کر انہیں اپنا رسول بنا کر ان کی اتباع اختیار کی جائے اب دیکھئے کہ رسول اکرم ﷺ نے کس طرح وضاحت سے فرمایا ہے کہ من تشبه بقوم فهو منهم مجھے رسول ماننے کا دعوی کرنے والے اپنا جائزہ لیں اگر میرے ساتھ کوئی تعلق ہے تو میری مشابہت اختیار ہوگی اور اگر میری مشابہت نہیں ہے تو پھر مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ کے رسول وہ دین الحق آخری دین دے کر گئے ہیں جو اللہ نے پوری انسانیت کے لئے پسند کیا۔ وہ کس لئے دے کر گئے ہیں کیا دین الحق اس لئے دیا تھا کہ اس کو پڑھتے رہو اس کی تعریفیں کرتے ــــــــ نہیں بلکہ اس لئے دے کر بھیجا تھا کہ اسے سارے ادیان پر غالب کرو۔ آج دنیا میں کہیں وہ دین ہے؟ ہم ان کو رسول ماننے ﷺ کے دعویدار ہیں اور ان کی رسالت کا حق ادا نہیں کرتے اللہ تعالی نے یہ دین دیا تھا کہ سابقہ کتابوں والے بھی اسی کو اپنا دین بنالیں اور اگر اس کو نہیں مانتے تو اپنے دین کو مذہب بنالیں اور جزیہ ادا کر کے رہیں لیکن افسوس کہ آج ہم ان کے دین کے تحت اپنے دین کو مذہب بنا کر جزیہ دے کر زندگی گزار رہے ہیں اور اپنے دین کو چند عقائد اور رسومات تک رکھ کر سمجھ رہے ہیں کہ پورا حق ادا کر دیا ذرا سوچو کیا نبی اکرم ﷺ

یہ دین دے کر گئے تھے؟ اللہ نے تو آپ کو آخری رسول بنایا تھا کہ ان کو جو دین دے کر بھیجا تھا وہ پوری انسانیت کے لئے پسند کرلیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو اس دین کو قائم کر کے گئے تھے ان کے امتی ہونے کا تقاضا ہے کہ اگر یہ دین کبھی قائم نہ رہے تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسے پھر قائم کرو پھر امتی ہونے کی نسبت ملے گی اور اس نسبت کو حاصل کرنے کیلئے ہمارے دل میں خواہش اور ولولہ پیدا ہونا چاہئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا یٰلیتنی لقیت اخوانی ''کاش میری ملاقات ہو میرے بھائیوں سے'' صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا بلیٰ ''تم بھی ہو'' لیکن قوم یجیئون بعدکم '' وہ لوگ بھی جو میری امت میں تمہارے بعد آئیں گے'' یؤمنون بی ایمانکم ''وہ مجھ پر ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو''۔ ویصدقون تصدیقکم۔ ''وہ میری تصدیق کریں گے جیسے تم نے کی ہے''۔ وینصرونی نصرکم ''اور وہ میری مدد کریں گے جیسے تم نے کی ہے''۔ یہ کونسی مدد تھی جو صحابہ نے کی تھی؟ کوئی ذاتی؟ ذات کے لئے تو نبی نے فاقے کاٹے ہیں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ یہ مدد تھی اللہ کے رسول ہونے کی جو اللہ نے ان کے ذمہ داری لگائی تھی اس کو پورا کرنے کی۔ اس مشن میں اپنی جانیں کھپادی ہیں۔ صرف زبان سے کہہ دینے سے حق ادا نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ واقعی دین کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے جب تک کہ اس دین کو اللہ کی زمین پر غالب نہیں کریں گے۔ جدوجہد نہیں کریں گے تو نسبت قائم نہیں ہوگی۔ پھر اتباع کا معاملہ پورا نہیں ہوگا۔ یہ لازم ہے۔ اللہ نے ہر امتی کے ذمے لگایا ہے جان لیجئے اللہ تعالی نے رسول کے کسی امتی کو اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ جو یہ کام کریں گے انہیں یہ شرف ملے گا امتی کا ورنہ امت میں پیدا ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ امتی ہونے کی ذمہ داری نہ نبھائی جائے اور ذمہ داری یہ ہے کہ اس دین کو جو اللہ کے رسول ﷺ دے کر گئے ہیں۔ بلغوا عنی ولو آیة اے میرے امتیو! کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے جس کے پاس ایک آیت پہنچ جائے وہ اسی کو آگے پہنچائے ہم اسے ٹھیکے پر دے کر بیٹھے ہوئے ہیں نبی اکرم ﷺ ہر امتی کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اگر ہم اس وقت وہ کام کریں گے اس کے اجر کے بارے میں بھی سن لیں۔ صحابہ کرام نے ایک دفعہ عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم سے بھی اجر

میں بڑھ کر کوئی زیادہ ہوگا۔ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی اور اپنی جان مال کھپایا ہے اس مشن کو پورا کرنے کیلئے آپ نے فرمایا ہاں! کچھ لوگ تم سے بھی زیادہ ہوں گے اجر میں قوم یجیئون بعد کم وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے نہ مجھے دیکھا ہوگا نہ تمہیں دیکھا ہوگا ان کے پاس صرف اللہ کی کتاب ہوگی دو گتوں میں فیؤ منون به وہ پھر اس پر ایمان لائیں گے اور اس کے تقاضے پورے کرلیں گے وہ تم سے اجر میں زیادہ ہوں گے تو آج بھی کھاتہ کھلا ہے بھائی! یہ ہیں چیزیں جن سے ہمیں احساس ہونا چاہئے اپنے مقام کا اپنے شرف کا اپنی ذمہ داری کا اور نبی اکرم ﷺ بھی اس تقاضے کو بیان کر کے گئے ہیں۔ اللہ مجھے اور آپ کو یقین دے باقی جس طرح اللہ نے انہیں بلند مقام دیا ہے اسی طرح ہمیں بھی شرف سے نوازا ہے تو اس شرف کے حامل ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین کیلئے اپنے آپ کو لگانے والے اور تقاضے پورے کرنے والے بنیں تا کہ کل کو وہ امتی کہلانے کا حق ملے وہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوگا اور حوض کوثر کے پاس ہوگا انہیں ہی پلائیں گے جو امتی ہونے کا حق دار ہوگا پھر اچھی طرح جان لیجئے جنہیں وہ نصیب ہوگا کتنے بڑے اعزاز کی بات ہوگی پورے پچاس ہزار سال کا دن ہوگا پیاس نہیں لگے گی جس دن سورج سوا نیزہ پر ہوگا کیسی تپش ہوگی اس کے لئے بھائی یہ کام کرنا پڑے گا تو امتی کہلائیں گے اللہ مجھے اور آپ کو ایمان دے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ے فسَعیاَ ثم سعیاَ ثم سعیاَ

وما عندی سوٰی ذاك المقال

حکمتِ بالغہ کے اجراء پر
تہنیتی خطوط

(1)

ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' ایک اہم دینی ضرورت پوری کر رہا ہے

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے استادِ محترم جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب سے مسلسل دس برس (1977 تا 1987) فیض یاب ہونے کی سعادت ملی۔ موصوف نہ صرف یہ کہ خود متحرک رہنے والی ہستی ہیں بلکہ دوسروں کو بھی فعال رکھنے کی خداداد صلاحیت سے بہرہ ور ہیں آپ اکثر ہمیں یہ شعر سنایا کرتے تھے:۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
تا حشر سوتا رہے گا خاک کے سائے تلے

آپ دوسروں کو متحرک کر کے ''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے'' کے مصداق جلد ایک حلقۂ احباب واثر قائم کرنے اور اجتماعی دینی خدمات کی صورت پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ جھنگ میں انجمن خدام القرآن کا قیام، قرآن اکیڈمی کی تعمیر، اکیڈمی میں پچیس روزہ کورسز کا سلسلہ اور دیگر پروگرامز کا انعقاد، آپ کی صلاحیتوں کی منہ بولتی تصاویر ہیں۔ دینی سرگرمیوں کے لئے اجتماعی صورت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ مختار صاحب اپنی ذات میں خود ایک انجمن بھی ہیں۔ جنوری 2007ء سے ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' کا اجراء اور باقاعدگی کے ساتھ اس کی اشاعت اس حقیقت کا ثبوت ہے۔ حکمت بالغہ میں شائع

ہونے والے مضامین بلا شبہ اعلیٰ علمی سطح کے ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد کے ایک تقاضہ کو پورا کرنے میں معاون ہیں۔

اقامت دین کی جدوجہد ہمارا دینی فریضہ ہے اور اس کے لئے اولین اہمیت معاشرہ کے جدید تعلیم یافتہ اور سوچنے سمجھنے والے حضرات وخواتین کے فکر ونظر میں انقلاب برپا کرنا ہے حکمت بالغہ میں شائع ہونے والے مضامین اس ضرورت کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں

مجھے امید ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد میں شریک ایسے حضرات وخواتین جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق بھی عطا کیا ہے وہ اس ماہنامہ سے نہ صرف بھرپور استفادہ کریں گے بلکہ اسے مزید مفید بنانے اور عام کرنے کے لئے ہر طرح کا قلمی، علمی، مالی اور جانی تعاون بھی پیش فرمائیں گے

ازطرف: انجینئر نوید احمد

قرآن اکیڈمی کراچی

(2)

میرے گرامی قدر دوست جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔مزاج عالی!

مجھے وہ خوشگوار ایام نہیں بھولتے جنہوں نے ہمیں خلوص وعظ کے لازوال رشتوں میں باندھا تھا.....سیلِ روز وشب انہیں خبر نہیں کہاں لے گیا!.....وہ صحبتیں وہ سنگتیں بالآخر اجڑ گئیں ؎

بسر گئیں وہ رتیں کھو گئے وہ سچے لوگ
ہرے ہیں اجڑی ہوئی سنگتوں کے گھاؤ ابھی

کتنے اچھے دن کٹے تھے دفتر قرآن اکیڈمی میں ہمارے درمیان۔علمی تبادلہ خیال بھی ہو جاتا تھا۔عالمی سطح کی بیرون ممالک سے آنے والی شخصیات کی زیارت بھی ہو جاتی تھی اور دینی موضوعات پر افکار میں روشنی اور توانائی بھی آجاتی تھی۔ مجھے فخر ہے آپ نے مجھے ہمیشہ یاد رکھا یہ کوئی معمولی اعزاز نہیں! میں آپ کا دلی طور پر شکر گذار ہوں۔

آپ کی سعی وجہد میں مشغول روزمرہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے فارسی شاعر کا یہ شعر

یاد آجاتا ہے۔ ؎

منعم بہ کوہ ودشت و بیاباں غریب نیست
جائیکہ رفت خیمہ ز دو بارگاہ ساخت

منعم کوہ ودشت میں ہو یا ویرانہ و بیاباں میں، اپنے مقدر کی ازلی راہ سفر طے کرتے وقت مسافر کبھی نہیں ہوتا وہ تو جہاں جاتا ہے اپنے خیمے گاڑ کر فروکش ہو جاتا ہے اپنی بارگاہ بنا کر راہ چلتے سائلوں میں انعام بانٹتا ہے۔ یہ جھنگ سے آپکا انعام وہ حکمت بالغہ ہے جسے قرآنی دولت بھی کہا جا سکتا ہے اللہ تعالی آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آپکی صلاحیت کو آپکی اس علمی لگن کو زندہ وشاداب رکھے اور پروان چڑھائے اور اسے اس کا فطری نقطۂ عروج (CLIMAX) دے آمین۔

آپ کا حکمت بالغہ کا ڈائجسٹ مجھ پر احسان خداوندی بن کر نازل ہوا ہے۔ یہ کمیت سے زیادہ کیفیت کا ایک خوبصورت کمپوزیشن ہے جو بآسانی DIGESTABLE ہے۔ SOME BOOKS ARE TO BE DIGESTED یہ ہے جو برٹش فلاسفر بیکن کہتا ہے اور ہمارے مشرقی شاعر متنبّی کا خیال ہے۔ ؎

اعز مکان فی الدنیٰ سرج سابح
وخیر جلیس فی الزمان کتاب

زمان ومکان کی صنعت تضاد کو جیسے یہاں نبھایا گیا ہے وہ متنبّی ہی کا حصہ ہے۔

بہر حال یہ مختصر کتاب واقعی حکمت بالغہ ہے۔ میرا جی چاہتا ہے (میرا اگرچہ جسم ڈایابیٹک ہو چکا ہے) کہ میں پوسٹ گریجوایٹ کلاس میں داخلہ لے لوں مقصد صرف قرآن کو سمجھنا ہو یا رب ان قومی اتخذ وا ھذا القرآن مھجورا کی پیغمبرانہ شکایت آخرت سے بچ جاؤں اور پھر سرزمین جھنگ میں ہی دفن کر دیا جاؤں تاہم کیا یہ خواب ممکن العمل بھی ہے؟

دفتر قرآن اکیڈمی ملتان کے کسی کارکن نے مجھے آپکی سچی یادآوری کا حوالہ دیا اور میرا ایڈریس بھی آپکو شاید اسی نے دیا ہوگا۔

دعا گو: تاثیر وجدان سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

دورحاضر میں علوم قرآنی کے فروغ کا جوسلسلہ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے شروع کیا تھا اسے آپ نے جس لگن سے جاری رکھا ہے، اس پر ہمیں فخر ہے۔ قبل ازیں آپ نے جھنگ شہر میں قرآن اکیڈمی قائم کر کے اپنے ساتھیوں کو حیران کیا ہی تھا، اب اپنی زیرادارت ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' شائع کر کے ایک اور کٹھن اور مشقت طلب کا کام بیڑا اٹھایا ہے جو وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

آج میڈیا کی اہمیت اور اس کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن افسوس کہ میڈیا مسلم امہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی بجائے غیروں کا آلہ کار بن کر انہیں اپنی اساس سے دور کرنے میں مصروف ہے۔ ایسے میں حکمت بالغہ جیسے جرائد ایک نعمت سے کم نہیں۔

حکمت بالغہ قرآنی علوم پر مبنی مضامین کے اعتبار سے بالغ نظری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ جدید تعلیم یافتہ افراد کو قرآنی علوم سے متعارف کرانے میں ''حکمت بالغہ'' پوری طرح کامیاب نظر آتا ہے۔ بالخصوص علامہ اقبال کے فکر پر مبنی مضامین حکمت بالغہ کے مقصد اشاعت سے خوب مناسبت رکھتے ہیں۔

محدود وسائل کے باوجود آرٹ پیپر پر ٹائٹل اور سفید کاغذ پر حکمت بالغہ کی طباعت کے باعث ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ دعا ہے کہ جو افراد اس رسالہ کی تدوین و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ایوب بیگ مرزا
ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی

تخلیق اور ارتقاء (2)

ساجد محمود مسلم

ہمارے معاشرے میں مذہبی طبقہ ''ارتقاء'' کو بالعموم ''عقیدہ تخلیق'' کی ضد سمجھتا ہے جبکہ قرآن وحدیث میں نہ صرف ارتقاء کے وقوع کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس بارے میں راہنما اصول بھی فراہم کیے گیے ہیں تاہم ڈارون کا مخصوص تصور ارتقائے اکبر اسلامی تصورات سے متصادم ہے جینٹکس (جینیات) کے شعبہ میں ہونے والی جدید ترین تحقیقات' انواع کے ارتقائے اصغر کا ثبوت فراہم کرتی ہیں لیکن ڈارون کے موہومہ ارتقائے اکبر کی یکسر نفی کرتی ہیں۔ارتقائے اصغر کے بنیادی طور پر چار عوامل فطرت میں پائے گئے ہیں یعنی جینوم، جینی تغیرات، جینی انفصال اور موافقت۔

4۔موافقت (ADAPTATION)

جانداروں کے تبدیل ہونے اور ایک امۃ کے انواع وفروع میں تقسیم ہونے کے لئے موافقت کا عمل بھی نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔جس کسی امۃ کی بڑی آبادی کا کوئی حصہ ہجرت کر کے کسی نئے اور مختلف ماحول میں جا کر آباد ہوتا ہے تو اسے نئے ماحول میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔نئے ماحول میں پہنچنے والے جانوروں کے اس گروہ میں پہلے سے انحرافات موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اپنے متفاوت خواص کی وجہ سے ان کے بعض افراد اس ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے افراد ماحول سے کم مطابقت رکھتے ہیں اب ان میں ہونے والے وہ تمام جینی تغیرات مفید قرار پائیں گے جو ان میں ماحول سے مزید مطابقت پیدا کریں اور جن افراد میں یہ مفید تغیرات واقع ہونگے وہ سہولت اور کامیابی کے ساتھ ان مفید تغیرات اور ان کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے خواص اگلی نسل کو منتقل کر سکیں گے۔ان کے برعکس جن افراد میں ایسے تغیرات واقع ہونگے جو انہیں ماحول میں مزید اجنبی، نمایاں اور غیر متناسب بنا دیں گے وہ ان مضر تغیرات کے باعث بقا کی جنگ ہار جائیں گے۔پس ماحول سے مطابقت پیدا کرنے والے جو خواص بھی ظاہر ہونگے انہیں اصطلاحاً موافق خواص (ADAPTIVE

(TRAITS) کہتے ہیں اوران کے ظہور کوموافقت (ADAPTATION) کا نام دیا جاتا ہے۔

یادر ہے کہ موافقت کا یہ فطری عمل کسی بھی جاندار کی خواہش، ارادے یا اختیار سے واقع نہیں ہوتا بلکہ یہ رب تعالی کی طرف سے مقرر فطرت الٰہیہ کے تحت ہونے والے تقدیری عوامل کی وجہ سے ہوتا ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ جو جاندار اپنے ماحول میں جتنا زیادہ موافقت ومطابقت کا حامل ہوگا اس کی بقاء کے امکانات اسی قدر زیادہ ہوں گے اور اسی طرح اس کے برعکس ہوگا۔

موافقت کا عمل صرف ہجرت کی صورت میں ہی واقع نہیں ہوتا بلکہ ماحول میں کوئی بھی شدید تبدیلی ایسے خواص کی متقاضی ہوتی ہے جو کسی جاندار میں ان ماحولیاتی تبدیلیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرسکیں۔عموماً ماحول خود جینز میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا بلکہ جینز میں تبدیلی ہمیشہ میوٹیشن کے عمل کے ذریعے ہی واقع ہوتی ہے۔

موافقت کی بہترین مثال بیکٹیریا کی بعض انواع مثلاً سٹیفلوکوکس آریس (STAPHYLOCOCUS AUREUS) وغیرہ میں جراثیم کش ادویات یعنی اینٹی بائیوٹکس کے خلاف مکمل مزاحمت کا ظہور ہے۔1943ء میں پنسلین ان بیکٹیریا کو ختم کرنے کے لئے طلسمی اثر رکھتی تھی لہٰذا یہ دوا ان بیکٹیریا سے پیدا ہونے والے امراض کا علاج کرنے کے لئے نہایت کامیابی سے استعمال کی جاتی رہی۔لیکن 1947ء میں انہی بیکٹیریا کی ایک قسم ظہور پذیر ہوئی جس پر پنسلین کا کوئی اثر نہ تھا۔رفتہ رفتہ بیکٹیریا میں پنسلین کے خلاف مزاحمت بڑھتی گئی۔یہاں تک کہ یہ دوا بیکٹیریا کی مذکورہ نوع پر اپنا اثر کھو بیٹھی۔ڈاکٹرز کے لیے یہ نہایت پریشان کن صورتحال تھی چنانچہ انہوں نے نئی جراثیم کش دوا کی ایجاد کی کوشش شروع کردی۔تا آنکہ 1960ء کی دہائی میں میتھی سلین (METHICILLIN) نامی دوا متعارف ہوئی جو جراثیم ختم کرنے میں مؤثر ثابت ہوئی لیکن بہت جلد بیکٹیریا میں اس دوا کے خلاف بھی مزاحمت ہونے لگی۔1980ء کی دہائی تک اس دوا کے خلاف مزاحمت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔تب ایک نئی دوا ویکومائیسین (VANCOMYCINE) منظر عام پر آئی لیکن 2002ء میں اس دوا کے خلاف مزاحمت والے بیکٹیریا بھی معرض وجود میں آچکے تھے۔

بیکٹیریا میں مختلف جراثیم کش ادویات کے خلاف یکے بعد دیگرے ظاہر ہونے والی یہ

مزاحمت و مدافعت کی صلاحیت مفید جینی تغیرات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی موافقت کا ناقبل تردید ثبوت ہے۔ جن بیکٹیریا پر پہلی مرتبہ پنسلین استعمال کی گئی وہ سب کے سب ہلاک نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے بعض بیکٹیریا زندہ بچ گئے تھے۔ یہ محض اتفاقاً نہیں ہوا تھا بلکہ ان بیکٹیریا کے اندر جینز کی ایسی ترتیب موجود تھی جو پنسلین کے خلاف دفاع کرنے والے خواص پیدا کرنے کا باعث بنی۔ یہ تمام ہلاک ہونے والے اور زندہ بچ جانے والے بیکٹیریا اپنے جیسے آباؤ اجداد سے ہی پیدا ہوئے تھے مگر مزاحمت کرنے والے جینز کی مخصوص ترتیب جینی تغیر کی صورت میں پیدا ہوئی تھی۔ اگر یہ ترتیب من وعن ان کے آباء میں بھی موجود ہوتی تو سب بیکٹیریا میں مزاحمت کی صلاحیت موجود ہونا چاہئے تھی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ مزاحم بیکٹیریا اپنی آئندہ نسل تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن یہ نئی نسل مکمل طور پر مزاحم نہ تھی بلکہ ان میں سے بہت سے بیکٹیریا پنسلین سے ہلاک ہوگئے تاہم اس مرتبہ مزاحم بیکٹیریا کی تعداد سابقہ نسل کے مقابلہ میں کافی زیادہ تھی۔ مزاحمت کی صلاحیت سے محروم بیکٹیریا کا دوبارہ ظہور ایک بار پھر جینز کی ترتیب میں تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ غرض مفید جینی تغیرات کے نتیجے میں بیکٹیریا میں مزاحمت کی صلاحیت بڑھتی گئی تا آنکہ غیر مزاحم بیکٹیریا یکسر ختم ہوگئے اور صرف مزاحم بیکٹیریا غالب آگئے۔ ہر جراثیم کش دوا کے خلاف مزاحمت و مدافعت اسی انداز میں پیدا ہوئی۔

اسی سے ملتی جلتی مثال حشرات کُش ادویات کے خلاف پیدا ہونے والی مزاحمت و مدافعت ہے۔ ڈی ڈی ٹی ایک مشہور حشرات کش دوا تھی جس کے استعمال پر پوری دنیا میں پابندی عائد کی جا چکی ہے کیونکہ یہ دوا کیڑے مکوڑے مثلاً مکھیاں مچھر وغیرہ مارنے کی صلاحیت کھو بیٹھی۔ دوا تو وہی ہے جو کبھی معجزانہ انداز میں مکھیاں، مچھر ہلاک کرتی تھی البتہ جینی تغیرات کے ذریعے ان حشرات میں ڈی ڈی ٹی کے خلاف مدافعت کی صفت پیدا ہو چکی ہے۔ اسی کا نام ماحول کی تبدیلی کی صورت میں نئے ماحول کے مطابق خواص کا حصول یا موافقت ہے۔

یاد رہے کہ موافقت کی صورت میں نئے خواص کے حصول یا ظہور کا عمل لامحدود نہیں ہے بلکہ اس کی حدود متعین ہیں۔ موافقت کسی جینی تغیر کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ خود جینی تغیرات اور ان کی تاثیر محدود ہے۔ مثال کے طور پر چوہے میں کوئی ایسا جینی تغیر رونما

نہیں ہوسکتا جس کے نتیجے میں اس کی ناک ہاتھی کی سونڈ کی صورت اختیار کرلے یا مچھلیوں میں کوئی ایسا جینی تغیر ممکن نہیں کہ وہ ان میں پر (WINGS) پیدا کر کے انہیں پرندوں کی طرح اڑنے کے قابل بنادے۔غرض جینی تغیرات اور موافقت کے ذریعے نئے کارآمد اعضا پیدا نہیں ہوتے۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عموماً ہر امۃ دو یا اس سے زائد انواع میں تقسیم ہوجاتی ہے اور تنوع کا یہ عمل چار فطری عوامل یعنی جینوم ،جینی تغیرات، جینی انفصال اور موافقت پر منحصر ہے۔یہ سارا عمل مجموعی طور پر ارتقاء اصغر کہلاتا ہے۔یقیناً ارتقاء اصغر ایک فطری حقیقت ہے جسے جھٹلانا دانشمندوں کا کام نہیں۔

گیلاپاگوس جزائر پر فنچز (FINCHES) کی مختلف انواع اسی ارتقائی عمل کے ذریعے باذن الٰہی معرض وجود میں آئیں۔اس طرح ہر امۃ کی انواع اسی انداز میں ظاہر ہوئیں۔

ارتقاء اکبر (MACRO-EVOLUTION)

چارلس ڈارون نے اپنی تصنیف ''ابتدائے انواع'' میں اپنے مخصوص تصور ارتقاء اکبر کی ساری عمارت ارتقاء اصغر یعنی عمل تنوع کی بنیاد پر کھڑی کی۔اس نے ارتقاء اکبر کو ارتقاء اصغر پر قیاس کرلیا اور یہ مفروضہ گھڑا کہ تمام زندہ انواع پہلے سے موجود سادہ انواع سے تولد ہوئی ہیں اور اس نے ہر امت کی الگ الگ تخلیق کو یکسر جھٹلا دیا۔حتیٰ کہ حضرت انسان کی خصوصی تخلیق تک اس کے نزدیک محض ایک من گھڑت کہانی ٹھہری۔

ارتقاء اصغر کی معقولیت عیاں ہے۔چنانچہ ڈارون نے اسی ارتقاء اصغر کے وقوع کے بہت سے دلائل اپنی کتاب میں جمع کئے۔بلکہ انصاف پسندی سے دیکھا جائے تو اس کے قریب قریب تمام دلائل ارتقاء اصغر کے گرد گھومتے ہیں۔انہی دلائل سے سائنسدان متاثر ہوئے اور وہ بھی ڈارون کے ہم خیال بن گئے۔انہوں نے بھی قیاس کرلیا کہ جس طرح ایک نوع قریبی مشابہت رکھنے والی انواع میں تقسیم ہوجاتی ہے اسی طرح ماضی میں ہر پیچیدہ نوع اپنی پیشرو سادہ نوع سے ارتقاء پذیر ہوئی اور کوئی بھی نوع خصوصی طور پر تخلیق نہیں کی گئی۔یہ مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تصور سائنسدانوں کی اکثریت کے لئے نہایت پرکشش تھا کیونکہ اس تصور سے ان کے ملحدانہ عقائد کی تسکین اور مادہ پرستانہ خواہشات کی تکمیل ہوتی تھی۔

ارتقاء اصغر کی وضاحت کرتے وقت ڈارون نے جو کچھ لکھا وہ سب ہی درست نہیں ہے بلکہ اس میں بعض فاحش غلطیاں بھی موجود تھیں جن کا ادراک عصر حاضر کے ماہرین کو بخوبی حاصل ہے۔ ایک ڈارون پرست سائنسی ادیب ڈیوڈ کیومن (DAVID QUAMMEN) اپنے مضمون "WAS DARWIN WRONG" (کیا ڈارون غلط تھا) میں ڈارون کے مخصوص ارتقائے اکبر کی بھرپور وکالت کرنے کے باوجود رقمطراز ہے:۔

"HE WAS RIGHT ABOUT EVOLUTION, THAT IS. HE WASN'T RIGHT ABOUT EVERY THING. BEING A RESTLESS EXPLAINER, DARWIN FLOATED A NUMBER OF THEORETICAL NOTIONS DURING HIS LONG WORKING LIFE, SOME OF THEM WERE MISTAKEN AND ILLUSORY. HE WAS WRONG ABOUT WHAT CAUSES VARIATION WITHIN A SPECIES. HE WAS WRONG ABOUT A FAMOUS GEOLOGIC MYSTERY, THE PARALLEL SHELVES ALONG A SCOTTISH VALLEY CALLED GLEN ROY. MOST NOTABLELY, HIS THEORY OF INHERITANCE ___WHICH HE LABELED PANGENESIS AND CHERISHED DESPITE ITS POOR RECEPTION AMONG HIS BIOLOGIST COLLEAGUES____TURNED OUT TO BE DEAD WRONG.(5)

''وہ یعنی ڈارون ارتقاء کے متعلق بالکل صحیح تصور کا حامل تھا۔ تاہم ہر چیز کے متعلق اس کا ہر تصور صحیح نہ تھا۔ ڈارون نے ایک بے چین توضیح نگار کی حیثیت سے اپنی طویل محققانہ زندگی میں بہت سے نظری اشارات دیئے جن میں سے بعض بالکل غلط

اور پرفریب تھے کسی نوع میں پیدا ہونے والے انحرافات کے سبب کے متعلق ڈارون کا تصور غلط تھا۔ایک ارضیاتی بھید یعنی سکاٹ لینڈ کی وادی گلن رائے کے متوازی شیلفوں کے متعلق اس کی رائے غلط تھی۔ خاص طور پر قابل ذکر اس کا نظریہ توارث جسے اس نے پان جینسس کا عنوان دیا تھا۔اس کے بعض ساتھی ماہرین حیاتیات کی جانب سے معمولی قبولیت کے باجود تباہ کن حد تک غلط ثابت ہوا۔''

مذکورہ بالا بیان ڈارون کے کسی مخالف کا نہیں بلکہ اس کے انتہائی معتقد و معتبر شخص کا بیان ہے۔ جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ڈارون نے کسی نوع میں ظاہر ہونے والے انحرافات کی جو توضیح وتشریح پیش کی تھی وہ سراسر غلط تھی۔ اسی طرح اس کا نظریہ توارث تو اصول توارث سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

چارلس ڈارون اور اس کے دیگر حواریوں کے تمام تر دلائل زیادہ سے زیادہ ارتقاء اصغر کا اثبات کرتے ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے ڈارون کا مزعومہ ''ارتقاء اکبر'' پایہ ثبوت کو پہنچتا ہو جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ارتقاء اصغر کے نتیجے میں کسی نوع سے کوئی قریبی مشابہت رکھنے والی نوع ہی متولد ہوسکتی ہے۔ارتقائی عمل سے یہ توقع کرنا کہ کوئی بیکٹیریا، طویل دور گزرنے کے بعد تدریجاً ترقی کرتا ہوا بالآخر انسان بن سکتا ہے، انتہا درجے کی حماقت ہے۔ ڈارون تو جدید علم التوارث (GENETICS) سے یکسر نابلد تھا مگر ہمیں حیرت تو ان ماہرین حیاتیات پر ہوتی ہے جو علم التوارث کے تمام تر حقائق جاننے کے باوجود ارتقائے اکبر کے وقوع پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں بلکہ اس کا ہر وقت پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اس طرز عمل کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تصور کو بطور ''عقیدہ'' اپنا لیا ہے اور محض قیاس آرائیوں اور من گھڑت مفروضوں کے ذریعے اس عقیدہ کا اثبات ہی ان کے نزدیک زندگی کا اصل نصب العین قرار پایا ہے۔

ہم آئندہ سطور میں ڈارون کے مخصوص ارتقاء اکبر کے غیر معقول اور غیر ممکن ہونے کے خالصتاً سائنسی دلائل پیش کریں گے۔

زندہ رکازات کی شہادت (EVIDENCE FROM LIVING FOSSILS)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہزاروں قدیم انواع کسی ڈرامائی تبدیلی سے گزرے بغیر آج بھی زندہ موجود ہیں۔ان میں سے بہت سی انواع ایسی ہیں جنہیں اپنی قدامت اور غیر مبدل ہونے کی بناء پر''زندہ رکازات'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ زندہ رکازات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ماضی میں کسی نوع سے صرف قریبی مشابہت رکھنے والی نوع ہی ظہور پذیر ہوئی ہے کسی نوع سے کوئی غیر مشابہہ اور پیچیدہ تر نوع متولد نہیں ہوئی۔

اب تک کی تحقیقات کے مطابق زمین پر سب سے پہلے نہایت بلند درجہ حرارت پر زندگی گزارنے والے حرارت پسند جراثیم یعنی تھرموفائلبیکٹیر یا (THERMOPHILE BACTERIA) پیدا ہوئے تھے۔ان تھرموفائل بیکٹیریا کی بعض انواع آج بھی امریکہ کے یلو سٹون نیشنل پارک کے اندر ہمارے جسم کو جلا دینے والے بلند درجہ حرارت پر گرم ابلتے چشموں (GYSERS) میں زندگی بسر کر رہے ہیں زندہ رکازات میں یہ بیکٹیریا سب سے قدیم ہیں۔ (6)

یہ بیکٹیریا نہ صرف یک خلوی ہیں بلکہ ان میں سے کوئی بھی بیکٹیریم کسی کثیر خلوی جاندار میں تبدیل نہیں ہو۔قریبی مشابہت رکھنے والی انواع میں تقسیم کے سوا ان میں کبھی کوئی ڈرامائی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی جو انہیں کوئی مختلف اور پیچیدہ تر نوع بنا سکتی۔ ماہرین ارضیات کے مطابق یہ بیکٹیریا زمین کی تخلیق مکمل ہونے کے بعد ابتدائی دور سے ہی زمین پر موجود ہیں۔گویا تین ارب سالوں سے بھی زائد عرصہ گزرنے کے باوجود ان میں ڈارون کا مزعومہ ارتقاء اکبر عمل کرتا دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح دیگر زندہ رکازات مثلاً ڈریگن فلائی ،لال بیگ، چیونٹی،ستارہ مچھلی،گھاس کاٹڈ او غیرہ بھی ڈارون کے ارتقاء اکبر کی نفی کرتے ہیں۔فائیلم پروٹوزوا (PROTOZOA) کی انواع چالیس ہزار کے لگ بھگ ہیں، بیکٹیریا کے بعد سب سے قدیم گروہ پروٹوزوا کا ہے۔قریباً تمام کے تمام پروٹوزوا یک خلوی یعنی ایک خلیہ پر مشتمل جاندار ہیں۔ماہرین حیاتیات کے مطابق پروٹوزوا تقریباً150 کروڑ سال سے زمین پر آباد ہیں۔ان چالیس ہزار انواع کا 150 کروڑ سالوں سے یک خلوی حیثیت کو برقرار رکھنا اور کسی کثیر خلوی جاندار میں تبدیل نہ ہونا ظاہر کرتا ہے

کہ کثیر خلوی انواع، یک خلوی انواع کے ارتقاء سے پیدا نہیں ہوئیں۔ اگر ایسا فی الواقع ہوا ہوتا تو چند یک خلوی انواع کے سوا سب کو کثیر خلوی انواع میں تبدیل ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ فطری عوامل سب کے لئے یکساں طور پر مؤثر ہے اس کے برعکس یہ یک خلوی انواع متنوع خواص کے ساتھ آج بھی زندگی سے لطف اٹھا رہی ہیں۔

رکازات کی شہادت (EVIDENCE FROM FOSSILS)

قدیم معدوم جانداروں کی جو باقیات ارضی طبقات میں نقش یا اجزائے بدن کی صورت میں باقی بچ رہتی ہیں اور ان ارضی طبقات کی کھدائی سے دریافت ہوتی ہیں۔ انہیں رکازات (FOSSILS) کہتے ہیں۔ کوئی تہہ جتنی زیادہ گہری ہوگی اتنی ہی قدیم ہوگی۔ ارضی تاریخ کے کیمبرین دور (CAMBERIAN PERIOD) میں بلکہ اس سے بھی پہلے تمام کثیر خلوی اور پیچیدہ جانور معرض وجود میں آچکے تھے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق یہ واقعہ آج سے تقریباً 550 ملین (پچپن کروڑ) سال پہلے رونما ہوا۔ دو امریکی ماہرین حیوانیات اسٹیفن اے ملر اور جان پی ہارلے اپنی مشترکہ تصنیف ZOOLOGY (حیوانیات) میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"TRADITIONALLY, THE ANIMALIA HAVE BEEN CONSIDERED MONOPHYLETIC (HAVING A SINGLE ANCESTRY) BECAUSE OF THE IMPRESSIVE SIMILARITIES IN ANIMAL CELLULAR ORGANIZATION. ABOUT 0.6 BILLION YEARS AGO, AT THE BEGINNING OF THE CAMBERIAN PERIOD, AN EVOLUTIONARY EXPLOSION OCCURED THAT RESULTED IN THE ORIGIN OF ALL MODERN PHYLA (ALONG WITH OTHER ANIMALS THAT ARE NOW EXTINCT). THIS RAPID ORIGIN AND DIVERSIFICATION OF ANIMALS

IS CALLED "THE CAMBERIAN EXPLOSION" BECAUSE IT OCCURED OVER A RELATIVELY BRIEF ONE H U N D E R E D MILLION YEARS PERIOD. THE RAPID APPEARANCE OF ALL ANIMALS PHYLA LEADS SOME SCINETISTS TO BELIEVE THAT ANIMALS MAY BE POLYPHYLATIC, BECAUSE SUCH A RAPID DIVERGENCE OF MANY KINDS OF ANIMALS FROM A SINGLE ANCESTOR SEEMS UNLIKELY."(7)

''روایتی طور پر عالم حیوانات کو مفرد الجد (یعنی ایک ہی جد اعلی سے پیدا ہونے والے) سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ جانوروں کی خلوی تنظیم میں متاثر کن مشابہت ہے ۔تاہم تقریباً 0.6 بلین سال پہلے کیمبرین دور کے آغاز میں ایک ارتقائی دھماکہ ہوا جس کے نتیجہ میں (دوسرے معدوم جانوروں سمیت) تمام جدید جانوروں کے بڑے گروہوں (فائیلا) کا آغاز ہوا۔ جانوروں کی یہ تیز رفتار ابتداء اور تفریع ''کیمبرین دھماکہ'' کہلاتی ہے کیونکہ یہ سب صرف ایک سو ملین سالوں کے نسبتاً مختصر عرصہ میں وقوع پذیر ہوا۔ جانوروں کے تمام گروہوں (فائیلا) کی یہ اچانک جلوہ نمائی بعض سائنسدانوں کو یقین دلاتی ہے کہ جانور کثیر الاجداد ہیں کیونکہ ایک ہی جد اعلی سے جانوروں کا بہت سی اقسام میں اتنی تیز رفتاری سے منقسم ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔''

یہ رکازات کی وہ ناقابل تردید اور غالب آجانے والی (OVERWHELMING) شہادت ہے جس نے ڈارون پرستوں کی نیند اڑادی ہے ۔ ڈارون اور اس کے جدید متبعین ومعتقدین اپنے مزعومہ ارتقاء اکبر کا قائل کرنے کے لئے ہمیشہ سے یہ باور کراتے آئے ہیں کہ جانوروں کی تمام انواع کا پہلے سے موجود انواع سے ظہور نہایت طول طوال وقتوں میں ہوا۔ ارتقاء اکبر کے لیے نہایت ''طویل وقت'' کا یہ تصور ڈارون اور اس کے متبعین کی بہترین پناہ گاہ تھی مگر

کیمبرین دھماکہ کی دریافت نے ان سے یہ پناہ گاہ چھین لی ہے۔لہٰذا اب وہ حقائق کے کھلے آسمان تلے تنقید کی تیز جھلس دینے والی دھوپ کی زد میں ہیں۔محض ایک سوملین سال (دس لاکھ صدیاں) زمین کی کل ارضی تاریخ کے صرف دو فیصد عرصہ کو محیط ہے۔جبکہ مفید جینی تغیرات کی سست رفتاری اور نہایت طویل وقت کا متقاضی عمل تنوع،اس قدر مختصر سے عرصہ میں تمام پیچیدہ اور سادہ جانوروں کے ارتقاء کو غیر ممکن ثابت کرتا ہے۔چنانچہ ملر اور ہارلے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اس مختصر عرصہ میں ارتقاء اکبر کے وقوع کے خطوط وطرق کا تعین غیر ممکن ہے۔یہ دونوں ارتقاء پرست لکھتے ہیں،

"UNFORTUNATELY, FOSSIL EVIDENCE OF THE EVOLUTIONARY PATHWAYS THAT GAVE RISE TO THESE PHYLA IS SCANT." (8)

''وہ ارتقائی راستے جن سے گزر کر جانوروں کے یہ گروہ (فائیلا) ظاہر ہوئے، ان کے متعلق رکازی شہادت نہ ہونے کے برابر ہے۔''

"THE EVOLTOINARY EVENTS LEADING TO MULTICELLULARITY ARE SHROUDED IN MYSTERY."(9)

''وہ ارتقائی واقعات جن سے کثیر خلوی جانور پیدا ہوئے، بھید کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ کل ارضی تاریخ کے مقابلے میں نہایت قلیل عرصہ کے دوران تمام متنوع جانوروں کا ظہور ارتقاء اکبر کی تردید اور ہر امۃ کی جداجد تخلیق کے تصور کی بھرپور تائید وتصدیق کرتا ہے۔چنانچہ ڈارون کا پیش کیا ہوا یہ تصور کہ انسانوں سمیت سب جانوروں کا جداعلیٰ ایک ہی ہے،خود ماہرین حیاتیات کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا جارہا ہے۔ماہرین کی بہت بڑی تعداد یقین رکھتی ہے کہ سب جانور کسی ایک ہی جداعلیٰ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ بہت سے اجداد (ANSECTORS) سے پیدا ہوئے ہیں۔رکازات کی یہ شہادت ڈارون کے مجوزہ ارتقاء اکبر کی

یکسر نفی کرتی ہے۔

یاد رہے کہ کیمبرین دور کے آغاز میں ہی جانوروں کے تمام بڑے گروہوں کا ظہور جس تیز رفتاری سے ہوا، ڈارون پرست ماہرین اسے کھل کر بیان نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک ارضیاتی تاریخ کی جو تقسیم وتعین چارلس لائل اور اس کے متبعین نے کی ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ لہٰذا ماہرین 100 ملین سالوں پر محیط جس طویل عرصہ کی بات کرتے ہیں وہ اصلاً اتنا طویل نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت جانوروں کی تخلیق کا عمل اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے واقع ہوا جس کا تصور بھی ڈارون پرستوں کے لئے محال ہے۔ تاہم طبقات ارضی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سب جانور ایک ہی لمحہ میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ پہلے سادہ جانوروں کے گروہ پیدا ہوئے۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد پہلے سے زیادہ پیچیدہ جانوروں کے گروہ پیدا ہوئے۔ پھر مزید وقفہ کے بعد ان سے پیچیدہ تر جانوروں کے گروہ پیدا ہوئے۔ اگرچہ ہر امۃ (مشترکہ جد اعلیٰ کا حامل گروہ)، جدا جدا تخلیق کی گئی۔ مگر فطرت ربانی یعنی سادہ سے پیچیدہ کی طرف، ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا رجحان جدا جدا تخلیق میں بھی ظاہر ہوا۔ جانوروں کی مختلف امتوں کا یہ مرحلہ وار ظہور ڈارون کے مجوزہ ارتقاء اکبر سے قطعی مختلف ہے اور اسے عصری تحقیقات کی تائید حاصل ہے۔

ڈارون پرستوں ملر اور ہارلے کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ڈارون پرست ڈارونزم (DARWANISM) کی تائید کے لئے جن رکازی شہادتوں کا واویلا کرتے ہیں وہ ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ ان رابطوں (LINKS) کا کوئی وجود نہیں، جو ایک نوع کو اپنے سے یکسر مختلف نوع میں تبدیل ہونے کے دوران انتقالی اشکال اختیار کرنے سے وجود میں آنا چاہئے تھے۔ چنانچہ وسطی رابطے (INTERMEDIATE LINKS)، انتقالی اشکال (TRANSITIONAL FORMS) حیوانی گروہوں کی رشتہ داری (PHYLOGENY) جیسی اصطلاحات محض فریب اور مغالطے میں مبتلا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان اصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے ڈارون پرست جو بھی قیاس آرائیاں کرتے ہیں وہ طلسماتی اور دیومالائی (MYTHICAL) نوعیت کی ہوتی ہیں۔ جن پر کوئی ایسا شخص تو یقین کرسکتا ہے جو علم التوارث کے حقائق سے آگاہ ہونے کے باوصف، عدم ذہنی استحکام مثلاً

شیزوفرینیا(SCHIZOPHRENIA) کا شکار ہوا اور محض تخیلات کی دنیا میں رہنا پسند کرتا ہو مگر کوئی بھی حقیقت پسند اور معقولیت پسند (RATIONILIST) شخص ان غیر معقول اور خلاف حقیقت مفروضوں پر یقین نہیں کرسکتا۔ ایسے ہی ایک دیو مالائی اور طلسماتی مفروضے کی بدترین مثال وہ منظر نامہ ہے جو ڈارون نے گھوڑے کا ''ارتقائی شجرہ'' (EVOLUTION TREE) تشکیل دیتے وقت پیش کیا ہے اور اس نے بڑے طمطراق سے اس ارتقائی شجرہ کو اپنے مزعومہ ارتقاء اکبر کی ''رکازی شہادت'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ جن انواع کے رکازات (FOSSILS) کو گھوڑے کے اجداد قرار دیا گیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ گھوڑے سے قطعی مختلف معدوم ممالیہ انواع کے رکازات ہیں اور بس۔ ان انواع کے درمیان ''رشتہ داری'' کا تمام تر تصور ڈارون کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے جس کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔

کروموسومز کی شہادت (EVIDENVCE FROM CHROMOSOMES)

پہلے ذکر ہو چکا کہ ہر امۃ (مشترکہ جد اعلیٰ سے پیدا ہونے والے جانداروں کا گروہ) کا ایک مخصوص ایکس نمبر (اصلی کروموسومز نمبر) ہوتا ہے مثلاً انسان کا ایکس نمبر 23 ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ ایکس نمبر نسلاً بعد نسلاً بھی تبدیل نہیں ہوتا۔ اکثر جانوروں میں ایکس نمبر ان کے ہیپلائڈ نمبر (N) کے مترادف ہوتا ہے۔ البتہ بعض جانوروں اور بہت سے پودوں میں اس ایکس نمبر کے دوگنا، تین گنا، چار گنا، پانچ گنا یا چھ گناہ تعداد کے برابر کروموسومز (2N) موجود ہوتے ہیں۔ ان جانوروں اور پودوں کو پولی پلائیڈز (POLY PLOIDS) یا فوری انواع (INSTANT SPECIES) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ انواع کسی طویل ارتقاء کی بجائے یکا یک (INSTANTANCOUSLY) فوری طور پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ تنوع کے اس خاص عمل کو اصطلاحاً قدری تنوع (QUANTUM SPECIATION) کہتے ہیں۔

اس قدری تنوع کے ذریعے وجود میں آنے والی انواع میں بھی ایکس نمبر خود کو اپنی اصل حالت میں برقرار رکھتا ہے۔ اگرچہ ان میں اس ایکس نمبر کی متعدد نقول موجود ہوتی ہیں مگر ان کی اس زیادتی سے نئی توارثی ہدایات یا نئی جینی معلومات پیدا نہیں ہوتیں۔ اصلاً ڈپلائیڈ نمبر (2N) کی حامل انواع کا ایکس نمبر بھی کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ می اوسس کا فطری عمل ایکس نمبر کو غیر مبدل

اور مستقل رکھتا ہے۔

پودوں کی ایک قسم فرنز(FERNS) کہلاتی ہے جن میں قدری تنوع کے اثرات سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مگر قدری تنوع کے باجود فرنز کی تمام انواع میں جسامت (SIZE) کے فرق کے سوا کوئی دوسرا نمایاں فرق پیدا نہیں ہوا.

مصنوعی انتخاب (ARTIFICIAL SELECTION) یعنی تخم ریزی (BREEDING) کے ذریعے بہت سی انواع(SPECIES) پیدا کی گئی ہیں مگر ان انواع میں بھی ایکس نمبر تبدیل نہیں ہوتا پھل مکھی (FRUIT FLY) یا ڈروسوفلا (DROSOPHILA) پر تقریباً ایک صدی سے مصنوعی انتخاب کے سارے طریقے (TECHNIQUES) آزمائے جارہے ہیں جس کی وجہ سے ڈروسوفلا میں بہت تیز رفتار ارتقائی عمل واقع ہوا جسے فطرت میں واقع ہونے کیلئے شاید کئی ہزار صدیاں درکار ہوتی مگر اس انتہائی تیز رفتار ارتقاء کے باوجود ڈروسوفلا سے ایک بھی ایسی نوع ظہور پذیر نہیں ہوسکی جس کا ایکس نمبر ڈروسوفلا کے ایکس نمبر (4) سے ذرا بھی مختلف ہو۔اس طویل مگر تیز رفتار عمل کے نتیجے میں اب تک جو نسلیں (STRAINS) سامنے آئی ہیں ان میں سے اکثر معذور، کمزور یا بانجھ ہیں۔

لہٰذا کروموسومز کے تمام قسم کے تغیرات خواہ وہ ساخت و بناوٹ کے لحاظ سے ہوں، یا تعداد کے لحاظ سے کسی بھی امۃ یا نوع کا ایکس نمبر تبدیل کرنے میں یکسر ناکام ہیں ڈارون پرستوں کا یہ دعویٰ کہ کروموسومز کے تغیرات کے ذریعے کسی نوع سے کوئی پیچیدہ تر نوع وجود میں آسکتی ہے خود فریبی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ تمام تجرباتی شہادتیں ان کے اس مفروضہ کے خلاف پڑتی ہیں۔

ایلوپولی پلائیڈی (ALLOPOLYPLOIDY) کے عمل کو نئی منفرد جینی معلومات کا اہم منبع باور کرایا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایلوپولی پلائیڈی نہایت قریبی مشابہت و تعلق کی حامل انواع میں ہی ممکن ہے۔اس عمل کے ذریعے جو مخلوط نسل وجود میں آتی ہے اس کا ایکس نمبر بھی تبدیل نہیں ہوتا، خواہ یہ نسل زرخیز ہو یا بانجھ۔ چونکہ قریبی تعلق رکھنے والی انواع کا جینوم بھی ایک جیسا ہوتا ہے اس لئے ان کی مخلوط نسل کا جینوم اپنی آبائی انواع کے مشابہ ہی ہوتا ہے۔لہٰذا اس عمل سے نئی منفرد جینی معلومات پیدا ہونے کی توقع عبث ہے۔

پس کروموسومز کی اس بین شہادت سے واضح ہوجاتا ہے کہ ڈارون کا مزعومہ ارتقاء اکبر محض تخیلات اور مفروضوں کے ایک لامتناہی سلسلے کا نام ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اس پر یقین رکھنا یا تو سطحی فکر کی نشاندہی کرتا ہے یا تخیل پسند (FANTACIST) ہونے کی دلیل ہے

جینوم کی شہادت (EVIDENCE FROM GENOMICS)

ہر نوع کا جینوم مخصوص نوعیت کا ہوتا ہے، لہٰذا ایک سادہ نوع سے مختلف اور پیچیدہ تر نوع کے ارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ جینوم میں نئے اور منفرد جینز کا یکدم اضافہ ہو۔ مثال کے طور پر ڈارون پرستوں کا دعویٰ ہے کہ کسی رینگنے والے جانور کے ارتقاء سے پرندے وجود میں آئے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ رینگنے والے جانوروں میں پرندوں جیسے پروں (FEATHERS) کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ماضی میں بھی پروں والے رینگنے والے جانور کا کوئی سراغ نہیں ملتا کیونکہ اس کی رکازی شہادت موجود نہیں ۔ آرکیو پیٹرکس (ARCHYOPTERIX) جسے رینگنے والے جانوروں اور پرندوں کی انتقالی شکل (TRANSITIONAL) کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اکثر ماہرین طیوریات (ORNITHOLOGY) کے نزدیک ایک مکمل پرندہ تھا۔

پرندوں کے پر محض اتفاقاً پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کی تشکیل کے لئے ایک منظّم و مرتب منصوبہ کام کرتا ہے۔ خلوی سطح پر ایک پیچیدہ اور مکمل نظام پروں کی تشکیل کا باعث بنتا ہے۔ DNA اور RNA کے سینکڑوں نیوکلیوٹائڈز صرف پروں کی تشکیل کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ DNA سے جینز وہ مخصوص پروٹینز (PROTEINS) بنانے کی ہدایات جاری کرتے ہیں جو پروں کی بناوٹ کے لئے ضروری ہیں۔ RNA ان ہدایات کے تحت وہی مخصوص پروٹینز بناتا ہے۔ یہاں پروں کی تشکیل کے طویل اور پیچیدہ عمل کو نہایت ہی سادہ اور مختصر سے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی اصل پیچیدگی اور نظم و ربط سے ماہرین بخوبی آگاہ ہیں۔

اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ پروں کو تشکیل دینے والے بیسیوں جینز پرندوں میں کہاں سے وارد ہوئے؟ رینگنے والے جانوروں میں تو یہ جینز سرے سے پائے نہیں جاتے پھر ان کے ارتقاء سے پرندے کیسے وجود میں آسکتے تھے۔ جبکہ یہ معلوم حقیقت ہے کہ کروموسومز کے انحرافات یا جینی تغیرات کے ذریعے نئے منفرد جینز پیدا نہیں ہوتے بلکہ پہلے سے موجود جینز کی ترتیب بدلتی

ہے یاان میں کمی ہوجاتی ہے یا انہی جینز کی نقول (COPIES) کا اضافہ ہوجاتا ہے۔1970ء میں سسمو اوہنو(SUSMO OHNO) نے جین ڈپلیکیشن (GENE DUPLICATOIN) یعنی پہلے سے موجود بعض جینز کی نقول کے اضافہ کو پیچیدہ تر انواع اور نئے منفرد اعضاء کی تشکیل کا سب سے بڑا منبع قرار دیا تھا مگر 35 سال گزرنے کے باوجود جدید ترین ٹیکنالوجی کے علی الرغم ،اس مفروضہ کی کوئی تجرباتی شہادت فراہم نہیں کی جاسکی۔ اس کے برعکس شعاع ریزی (RADIATION) اور تغیرات پیدا کرنے والے کیمیائی مادے کے مسلسل استعمال کے باوجود ،ڈروسوفلا میں آج تک ایک بھی نیا منفرد اور کارآمد عضو پیدا نہیں ہوا۔ ڈارون پرست حقیقت سے ناواقف عوام کو چکمہ دینے کے لئے عموماً ایک مثال پیش کرتے ہیں جسے اینٹینا پیڈیا (ANTENNAPEDIA) کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح اس جینی تغیر کے لئے وضع کی گئی ہے جو ڈروسوفلا میں واقع ہوا اور اس کے نتیجے میں ڈروسوفلا کے محاسے (ANTENNA) کی جگہ پر ٹانگیں پیدا ہوگئیں۔ ڈروسوفلا میں مختلف اعضاء کے مقام پیدائش کے تعین کے لئے جینز کا ایک سیٹ مخصوص ہے جسے HOX کہتے ہیں۔اس کی فطری ترتیب سے اعضاء اپنے فطری مقام پر پیدا ہوتے ہیں۔البتہ اس میں تغیر کی وجہ سے ٹانگیں، محاسوں کی جگہ ابھر آتی ہیں جبکہ محاسے غائب ہوجاتے ہیں۔غلط جگہ پر ٹانگوں کے ابھرنے کو ایک نئے منفرد کارآمد اور اعضاء کی تشکیل کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ ٹانگوں کے بننے کی ہدایات پر مشتمل جینز پہلے سے موجود تھے صرف ان کی ترتیب میں تبدیلی سے اضافی ٹانگیں غلط جگہ پر ابھر آئیں۔لہٰذا اس صورت میں نہ تو نئے جین پیدا ہوئے نہ ہی اس کے نتیجے میں کوئی نیا منفرد اور کارآمد عضو پیدا ہوا۔اس کے برعکس ڈروسوفلا کی مذکورہ نسل اپاہج اور معذور ہوگئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر فطرت میں بھی واقعتاً اس طرح کے اتفاقی (RANDOM) تغیرات سے کوئی عضو نمودار ہو بھی جائے تو وہ اس جاندار کو معذور اور نااہل بنادے گا۔ درحقیقت انٹینا پیڈیا کی اس مثال کو زیادہ سے زیادہ جینی تغیرات (GENE MUTATIONS) کے وقوع کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے وہ بھی مضر یا غیر مفید تغیرات کی دلیل۔

معلوم ہوا کہ ایک سادہ نوع سے پیچیدہ تر اور منفرد نوع کے ظہور کے لئے جینوم میں ایسے غیر معمولی تغیرات کی ضرورت ہے جو بیک وقت بہت سی نئی اور مفید خصوصیات کا باعث بن

سکیں۔ یادرہے کہ مفید تغیرات کسی نوع کی آبادی میں موجود تمام یا اکثر افراد میں بیک وقت واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ چند ہی افراد میں کوئی ایک آدھ مفید تغیر واقع ہوتا ہے، جبکہ کسی رینگنے والے جانور سے کسی پرندے کے ارتقاء کے لئے بہت سے مفید تغیرات کا بیک وقت ایک ہی فرد میں واقع ہونا ضروری ہے ورنہ پرندوں میں پروں کے ظہور کی کوئی حقیقت پسندانہ توجیہ وتشریح نہیں کی جاسکتی۔لیکن یہ معلوم ومسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ہی فرد میں بیک وقت اس قدر منظّم جینی تغیرات کا وقوع محال عقلی ہے جو پروں کی تشکیل میں ملوث پیچیدہ نظام وضع کرسکیں۔ ماحول میں کتنی ہی شدید تبدیلیاں ہوں جینی تغیرات کا وقوع کتنا ہی قریب الامکان ہو کسی رینگنے والے جانور کی نوع سے پرندے پیدا نہیں ہوسکتے۔

یہاں پرندوں کے پروں کی مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نیا پیچیدہ مفید عضو اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک جینوم میں شدید قسم کی تبدیلیاں رونما نہ ہوں اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ کسی بھی نوع کا جینوم اس نوعیت کی غیر معمولی شدید تبدیلیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔اگر کبھی اس نوعیت کی تبدیلی کسی نقص کی وجہ سے پیدا ہو ہی جائے تو اس کے نتیجے میں جنم لینے والا جاندار انتہائی ناقص (DEFECTED) ،عجیب الخلقت (MALFORMED) اور معذور ہوتا ہے جو اپنی آئندہ زرخیز نسل پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔جبکہ ارتقاء کے لئے شرط ہے کہ ظاہر ہونے والے انحرافات نسل در نسل منتقل ہوسکتے ہوں۔

پس جینوم کی اس شہادت سے ڈارون پرستوں کی تمام رہی سہی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے کیونکہ یہ شہادت ارتقاء اکبر کو قطعی طور پر غیر ممکن اور غیر معقول ثابت کرنے کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم ہر سلیم العقل شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ ذرا دیر رک کر اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ کیا ایک جرثومہ (BACTERIUM) اور انسان کا جینوم ایک سا ہے؟ تمام ماہرین جینیات (GENETICES) اور جینومیات (GENOMICS) اس سوال کا جواب متفقہ طور پر نفی میں دیتے ہیں۔لہٰذا جینوم کی بعض مشابہات کی بنیاد پر عقل یہ فرض کرنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے کہ سپر کمپیوٹر کا خالق حضرت انسان، ایک جرثومے یعنی بیکٹیریم کی ترقی یافتہ شکل ہے؟

فرض کرلیں کہ ابھی 'کیمبرین' دھماکہ دریافت نہیں ہوا، اور زمین صرف چار ارب نہیں بلکہ ایک کھرب سال پرانی ہے۔ کیا جینیات کے حقائق ایک جرثومے سے ترقی یافتہ انسان کے ظہور پر یقین کرنے کی اجازت پھر بھی دیتے ہیں؟ عقل صریح اس کا جواب نفی میں دیتی ہے۔ ہم تخیل پسندوں سے کہتے ہیں کہ آپ شوق سے اپنے مافوق الفطرت اور دیومالائی تخیلات کی فضا میں پرواز کرتے ہوئے ایک بیکٹیریم سے انسان کا ارتقاء ہونے کا تصور باندھیں، مگر خدارا سلیم العقل لوگوں سے اپنے ان ''تخیلات'' کے ماننے پر اصرار مت کریں۔ سلیم العقل لوگ یقین رکھتے ہیں کہ کائنات کے واحد رب نے ہر امۃ کو جدا جدا تخلیق کیا ہے۔ جس کی شہادت تمام جدید تحقیقات دے رہی ہیں۔ لہٰذا آپ بے شک اپنے ان موہوم ''خیالات'' میں مست رہئے مگر 'تخلیق' مت جھٹلایئے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے کہ!

ومامن دآبة فی الارض ولا طائر یطیر بجنا حیه الا امم امثالکم (الانعام 38)

''اور زمین پر چلنے والے تمام جانوروں اور اپنے دو پروں سے اڑنے والے پرندوں کی تم جیسی امتیں ہیں۔''

ڈارون پرستوں کی تضاد بیانی:

ارتقاء کے موضوع پر لکھا گیا کوئی مضمون یا اس موضوع پر ضبط تحریر میں لائی گئی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں ڈارون پرستوں نے جانداروں کے مابین مشابہات (RESEMBLANCES) کو موضوع سخن نہ بنایا ہو۔ ایسی ہی مشابہات کیلئے ایک اصطلاح مماثلت اعضاء یعنی ہومولوجی (HOMOLOGY) کثرت سے مستعمل ہے۔ وہ مماثلت اعضاء کو ارتقاء اکبر کی نہایت قوی اور قائل کرنے والی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اکثر کتابوں میں مماثلت اعضاء کیلئے انسانی بازو، پرندے کے بازو (WING)، چھپکلی کی ٹانگ، وہیل (WHALE) کے فلپر اور گھوڑے یا کسی اور چوپائے کی ٹانگ کی مثال دی جاتی ہے۔ ان مذکورہ اعضاء کو مماثل اعضاء (HOMOLGUES) باور کرایا جاتا ہے، حالانکہ ان اعضاء کی صرف

بیرونی ہی نہیں بلکہ اندرونی ساخت اور استعمال میں واضح اختلافات موجود ہیں۔ یہ اختلافات اس قدر واضح ہیں کہ خود ڈارون پرست جب مچھلیوں سے جل تھیلوں، جل تھیلوں سے رینگنے والے جانوروں اور ان سے پرندوں اور ممالیہ جانوروں کے ارتقاء کی تفصیلات بیان کرتے ہیں تو انہیں ایک لفظ ''ترمیم'' (MODIFICATION) بار بار استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ پرندوں کے بازو رینگنے والے جانوروں کی اگلی ٹانگوں کی ترمیم شدہ شکل ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک جانب تو ان دونوں جدا جدا اعضاء کو مماثل قرار دیتے ہیں، یعنی یہ دونوں اعضاء اپنی بناوٹ میں ایک جیسے ہیں اور دوسری جانب یہ بھی کہتے ہیں کہ پرندوں کے بازو ترمیم شدہ شکل ہیں۔ اگر وہ واقعتاً پہلے ہی ایک جیسے ہیں تو ترمیم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یاد رہے کہ یہ بحث لغوی نوعیت کی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کی عکاسی کرتی ہے وہ یہ کہ جن اعضاء کو یہ ڈارون پرست مماثل قرار دیتے ہیں وہ فی الحقیقت مماثل نہیں کیونکہ ان کی بناوٹ اور کام کی نوعیت میں کوئی مماثلت نہیں مثلاً انسانی ہاتھ میں قلم وغیرہ کو خاص انداز میں پکڑنے کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت پرندے یا چمگادڑ کے پر (WING) وہیل کے فلپر، گھوڑے کے سم، مچھلی کے فن یا چھپکلی وغیرہ کے اگلے یا پچھلے پاؤں میں ہرگز موجود نہیں۔ یہی نہیں انسانی ہاتھ سے قریبی مشابہت رکھنے والا چمپنزی یا گوریلا کا ہے۔ جس طرح انسان انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی مدد سے قلم پکڑتا ہے، اس انداز میں چمپنزی یا گوریلا سدھانے کے باوجود نہیں پکڑ سکتا۔ اسی طرح پرندے کے بازو اڑنے کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کے مقابلے میں انسان، گھوڑا، چھپکلی یا وہیل میں ہوا میں اڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے کیونکہ پرندوں کے بازو کی ہڈیاں اور باقی ہڈیاں اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں جبکہ دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں۔ گھوڑے کے سم اس انداز میں تخلیق کئے گئے ہیں کہ اسے دوڑنے میں آسانی ہو اور دوڑتے ہوئے تلوے پہ بھی چوٹ نہ لگے۔ کیا انسان چھپکلی یا پرندے، زمین کی سطح پر گھوڑے کی طرح تیز دوڑ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہیل کا فلپر پانی میں تیرنے کے لئے مخصوص ہے، ان فلپرز کی مدد سے وہ سمندر میں میلوں کا سفر مسلسل تیر کے طے کر لیتی ہے۔ کیا انسان غوطہ خوری کا لباس پہننے کے باوجود یا آبی پرندے مثلاً بطخ وغیرہ مسلسل تیرتے ہوئے اس طرح میلوں کا سفر طے کر سکتے ہیں؟

جب کوئی سلیم العقل شخص ان حقایق پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی کہ مذکورہ بالا اعضاء کو مماثل قرار دے کر دھوکہ دیا جاتا ہے تا کہ ڈارون کا یہ مفروضہ تسلیم کر لیا جائے کہ تمام فقاریہ جانور بشمول انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ بالفاظ دیگر انسان، پرندے، ممالیہ جانور، رینگنے والے جانور، جل تھلے اور مچھلیاں سب ایک ہی جداعلی سے ارتقاء پذیر ہونے کی وجہ سے ایک امۃ ہیں۔ اگر مذکورہ اعضاء میں تھوڑی سی مشابہت موجود بھی ہے تب بھی ان اعضاء کے حاملین کو ایک امۃ قرار دینا عصر حاضر کی تمام تحقیقات کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔ ہم اپنے اس دعویٰ کے دلائل رکازات، کروموسومز اور جینوم کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں جن کو یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ڈارون کا مذکورہ دعویٰ کہ سب جانور اور انسان ایک امۃ ہیں۔ قرآن کے تصور امۃ کے قطعی منافی ہے۔ قرآن نے جانوروں کی امتوں کو انسانی امۃ سے تشبیہ دی ہے۔

''امم امثالکم'' کی ترکیب ہمارے اس دعویٰ کے لئے کافی وشافی ہے۔ جانوروں کے گروہوں کے لئے عرب محاورہ میں مستعمل لفظ عَصَائِب (واحد عِصَابَۃ) عَصَب (واحد عُصْبَۃ) ابابیل (اس کا واحد نہیں ہے) اَفْرِقَۃ (واحد فَرِیق) وغیرہ کی بجائے امم کا خصوصی طور پر استعمال واضح کرتا ہے کہ یہاں صرف جانوروں کے گروہوں کی تقسیم بتلانا مقصود نہیں بلکہ ان کی اصل وابتداء کا تصور واضح کرنا ہے۔ جس طرح انسانوں کی ابتداء ایک جوڑے سے ہوئی ہے اسی طرح کی ہر امۃ کی ابتداء ایک جوڑے سے ہوئی۔ جانوروں کی امتوں کو انسانوں کی امۃ سے تشبیہ دینے کی یہی معقول وجہ دکھائی دیتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بعض دیگر قرآنی آیات سے بھی مذکورہ مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

فاطر السمٰوٰت والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجا (الشوریٰ 11)

''وہی آسمانوں اور زمین کو اول بار عدم سے پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے واسطے خود تمہارے اور جانوروں کے جوڑے پیدا کئے۔''

نیز فرمایا:

سبحٰن الذی خلق الازواج کلها مماتنبت الارض ومن
انفسهم ومما لایعلمون (یسین 36)

پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے پیدا کئے۔خواہ وہ زمین سے اگنے
والے پودے (کے جوڑے) ہوں یا خود ان کے اپنے (جوڑے) ہوں یا
ان چیزوں (کے جوڑے) ہوں جنہیں یہ جانتے تک نہیں۔''

قرآن مجید اور علم جدید (SCIENCE) کی روشنی میں جانداروں کی تخلیق اور عمل تنوع کی حقیقت اب بالکل نکھر کر سامنے آچکی ہے۔امة الناس کی ابتداء جس نمائندہ جوڑے کی تخلیق سے ہوئی وہ دیگر جانداروں کی طرح محض پانی سے پیدانہیں کیا گیا بلکہ اولا پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پانی سے گوندھی ہوئی خاص مٹی یعنی گارے سے متشکل کیا گیا پھر رب تعالی نے شرف انسانی کو چار چاند لگانے اور نوع انسانی کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشنے کیلئے اپنی جناب سے ان میں روح پھونک کر انہیں زندہ و متحرک بنادیا۔یوں ایک جیتا جاگتا،صاحب فہم وعقل اور صاحب زبان انسان معرض وجود میں آیا۔ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مختلف مراحل قرآن میں متفرق مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔پیدائش کی ابتدائی حالت کے متعلق فرمایا!

الذی احسن کل شیء خلقه وبدأ خلق الانسان من
طین (السجدہ 7)

''اس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا اور انسان کی پیدائش مٹی سے
شروع کی۔''

مذکورہ مٹی کوئی عام سی مٹی نہ تھی بلکہ مٹی کے تمام اجزاء کا خلاصہ تھی۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سلٰلة من طین (المؤمنون 12)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا فرمایا۔''

خاص مٹی کے جوہر میں پانی ملا کے اسے گوندھا گیا جس سے وہ گارے میں تبدیل ہوگئی چنانچہ ارشاد ہے:۔

فاستفتهم اهم اشد خلقاً ام من خلقنا انا خلقنٰهم من طین

لازبo بل عجبت ویسخرون o (الصّٰفّٰت 11:12)

ان (منکرین حق) سے پوچھو کہ کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ سخت کام ہے یا وہ سب کچھ جو ہم نے پیدا کر دیا۔ ہم نے ان (انسانوں) کو چپکتی ہوئی مٹی گارے سے پیدا کیا۔ آپ کو بھلا لگتا ہے۔ اور یہ (اس حقیقت کا) مذاق اڑا رہے ہیں۔''

گارے سے انسان کی پیدائش عقل کے لئے واقعتاً تعجب انگیز ہے مگر جس رب قدیر نے ساری کائنات کو محض عدم سے پیدا فرما دیا اس کے لئے یہ چنداں مشکل نہیں، اسی طرح گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مبارک تخلیق کیا گیا۔ یہاں تک کہ یہ قالب کچے گھڑوں کی مانند سوکھ کر بجنے لگا۔ جس میں اللہ تعالی نے اپنی طرف سے روح پھونک دی :۔

خلق الانسان من صلصا ل کالفخّار (الرحمٰن 14)

''اسی (رب) نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا۔''

واذقال ربك للملٰئکة انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون o واذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین O (الحجر 28:29)

''اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی جناب سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔''

یہ بشر یا انسان جس کا مذکورہ بالا آیات میں تذکرہ ہوا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو انتہائی معجزانہ انداز میں بن ماں باپ کے محض مٹی کے جوہر خاص سے پیدا فرما دیا۔ ارشاد ہے:

ان مثل عیسی عندالله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکونo الحق من ربك فلاتکن من الممترینo

(آل عمران 60:59)

''یقیناً اللہ کے نزدیک عیسی (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) جیسی ہے۔
جنہیں اس نے مٹی سے بنایا پھر ان سے فرمایا کہ (زندہ) ہو جا پس وہ (زندہ)
ہو گئے۔ یہ بات تمہارے رب کی جانب سے بالکل سچ ہے، تم شک کرنے
والوں میں شامل نہ ہو جانا۔''

اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بن باپ کے خصوصی طور پر معجزانہ انداز میں تخلیق فرمایا گیا۔ اسی مناسبت سے انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی مثل قرار دیا گیا ہے۔ اس حقیقت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک فرد واحد مشخص کا نام گرامی ہے۔ جن کا کوئی باپ نہ تھا۔ کوئی دوسرا انسان یا ''حیوان انسان'' آپ کی خصوصی تخلیق کے وقت موجود نہ تھا۔ چنانچہ آپ ہی ہر اعتبار سے ابوالبشر ہیں، روحانی اعتبار سے بھی اور جسمانی اعتبار سے بھی، اہل السنہ والجماعہ کا ہمیشہ سے یہی عقیدہ چلا آ رہا ہے۔ یہ عقیدہ ''عوامی ایجاد'' نہیں بلکہ جمہور مفسرین اور دیگر علمائے اسلامی یہی عقیدہ بیان کرتے آئے ہیں: (10)

حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصی تخلیق کے بعد انہی کی جنس سے ان کی زوجہ محترمہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وخلق منها زوجها

''اور اسی کی جنس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا''

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کی تفصیلات قرآن اور صحیح احادیث میں مفقود ہیں۔ البتہ صحیح احادیث میں اتنا اشارہ ضرور ہے کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ شارحین حدیث کے ہاں پسلی سے عورت کی تخلیق کے مفہوم میں کافی اختلاف موجود ہے۔ عصری تحقیقات کی روشنی میں دیکھا جائے تو عین ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی یا پہلو کے کسی ایک خلیہ (CELL) کی نقول تیار کی گئی ہوں اور اس کی کلوننگ (CLONING) سے حضرت حوا پیدا ہوئی ہوں۔ صنف تبدیل کرنے کے لئے وائی کروموسوم کی تحذیف (DELETION) اور ایکس کروموسوم کا اضعاف (DUPLICATION) چنداں بعید نہیں (والله اعلم بالصواب ویخلق مایشاء)

غرضیکہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کی تخلیق عام قاعدہ تزویج سے نہیں بلکہ بن ماں باپ کے ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر (سب انسانوں کے باپ) اور حضرت حوا علیہ السلام ام البشر (سب انسانوں کی ماں) ہیں۔ انسانوں کا وائی کروموسوم ثابت کرتا ہے کہ سب انسانوں کا باپ ایک ہی تھا۔ اسی طرح سب انسانوں کا مائٹو کونڈریل ڈی این اے (MITOCHONDRIAL DNA) ثابت کرتا ہے کہ سب انسانوں کی ماں ایک ہی تھی، حیاتیات (BIOLOGY) کے شعبہ سے منسلک ماہرین مذکورہ حقائق سے بخوبی واقف ہیں۔

قرآن وحدیث کے متفقہ عقیدہ تخلیق کے برعکس ڈارون اور اس کے متبعین کا فرضی تخیل ہے کہ بندروں جیسے کسی ممالیہ جانو میں عمل تنوع واقع ہونے کی وجہ سے بوزنے (APES) اور اولین وحشی انسان آسٹریلوپتھیکس (AUSTRALOPITHECUS) ظہور پذیر ہوئے۔ اسی حیوان نما انسان یعنی آسٹریلوپتھیکس میں ترقی ہوئی تو ہوموہیبلس (HOMO HABILIS) نامی انسان وجود میں آئے۔ پھر اس نوع میں اور ترقی کے نتیجہ میں اولین سیدھے چلنے والے وحشی انسان ہوموار یکٹس (H. ERECTUS) زمین پر نمودار ہوئے۔ انہی وحشی انسانوں نے ترقی کر کے درجہ بدرجہ موجودہ انسانوں کی شکل اختیار کر لی۔

''ارتقاء اکبر'' کے اس آخری درجہ کے متعلق گھڑے گئے سارے خاکے اور قصے نہایت نامعقول اور احمقانہ ہیں۔ یہ سارے قصے اور مفروضے نامکمل ڈھانچوں اور ہڈیوں کے چند ٹکڑوں کی بنیاد پر گھڑے گئے ہیں۔ ان فرضی خاکوں میں رنگ بھرنے اور چمک دمک پیدا کرنے کا سارا کام الحاد پرستوں کے ملحدانہ تخیلات نے سرانجام دیا ہے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جن قدیم ترین ڈھانچوں کو انسانی ڈھانچے قرار دیا جارہا ہے وہ درحقیقت قدیم بوزنوں ہی کی بعض انواع سے تعلق رکھتے ہیں جو موجودہ بوزنوں کی نسبت زیادہ سیدھا کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان ڈھانچوں کے غیر انسانی ہونے کی یہ دلیل ہے کہ قرآن مقدس میں قوم عاد کا بیان اور احادیث صحیحہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا قد 60 ذراع (تقریبا 90 فٹ) ہونے کا ناقابل تردید بیان ثابت کرتا ہے کہ قدیم ترین انسان نہایت بلند قامت اور قوی الجثہ تھے۔

جس کی عصری شہادت کرومینن انسان (CROMAGNON) یعنی ہوموسیپی انزنئیدر تھیلنسز

(HOMO SAPIENS NEADERTHELENSIS) کے عظیم الجثہ ڈھانچے ہیں جن میں سے بعض کی دماغی وسعت 1800 سی سی تک پہنچ چکی ہے جبکہ موجودہ انسانوں کی اوسط دماغی وسعت صرف 1450 سی سی ہے۔

ان انسانی ڈھانچوں کے برعکس HOMO SAPIENS کے سوا ہومی نیڈی (HOMINIDAE) خاندان کی باقی تمام انواع کی اوسط دماغی وسعت محض 600 سی سی ہے۔ یہ دماغی وسعت انسان کے مقابلے میں گوریلا (GORIALLA) کے زیادہ مشابہ ہے جس کی اوسط دماغی وسعت 510 سی سی ہے۔ لہٰذا ہومی نیڈی خاندان کی تمام انواع سوائے HOMO SAPIENS کے، درحقیقت قدیم بوزنوں کی انواع ہیں انسانوں کی نہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں بوزنوں اور انسانوں کے مابین صرف دماغی وسعت کا موازنہ کیا گیا ہے جو تنہا انہیں جدا جدا امۃ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے تاہم ان کے مابین جسمانی نقوش و بناوٹ کا جس انداز سے بھی موازنہ کیا جائے، انہیں ایک ہی جد اعلیٰ کی اولاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اصل امتیازات جن کی وجہ سے حضرت انسان کو باقی تمام مخلوقات حتیٰ کہ ملائکہ پر بھی فوقیت حاصل ہے، ان میں بوزنوں کو ذرا بھی سا جھا نہیں۔ انبیاء میں وحی الٰہی کو وصول کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت، من حیث النوع تمام انسانوں میں مرتب الفاظ کی صورت میں اپنے تخیلات اور مافی الضمیر کو بیان کرنے کی غیر معمولی صلاحیت، سپر کمپیوٹر کو تخلیق کرنے اور اسے مات کر دینے والی بے مثل ذہانت، ہاتھوں کے انگوٹھوں کی مدد سے گرفت (GRIP) کرنے کی صلاحیت، فطری حیا مثلاً شہوت کی صورت میں ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی میں تمیز کرنے کا جذبہ وعادت اور دیگر تمام مکارم اخلاق جو فی الواقعہ انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ تمام بڑے دماغ والے میملز میں ہی نہیں بلکہ تمام جانوروں میں مفقود ہیں۔ پس نفخ روح ربانی کے باوجود ہم کیسے مان لیں کہ انسان ایک حیوان محض ہے اور بس۔

ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ جس طرح حیوانات، نباتات کے ساتھ بہت سی مشابہتیں رکھنے کے باوجود نباتات میں شمار نہیں کئے جاتے اسی طرح انسان کی جانوروں کے ساتھ چند مشابہتوں کی بناء پر اسے جانور قرار دے کر عالم حیوانات (KINGDOM ANIMILIA) کا

ایک ادنی فرد قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ یہ مروجہ تقسیم سراسر لغو اور حیاتیاتی حقائق کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا ہم مذہبی تعصب کی بناء پر نہیں بلکہ حیاتیاتی حقائق کی برتری کے لئے مروجہ انسانی درجہ بندی (CLASSIFICATION) کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ماہرین حیاتیات کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ عالم نباتات (KINGDOM PLANTA) اور عالم حیوانات (KINGDOM ANIMALIA) کے متوازی تیسرا گروہ عالم انسانیہ (KINGDOM ANTHROPIA) کا وجود تسلیم کرتے ہوئے عالمی سطح پر اس کی تنفیذ کو یقینی بنائیں رہے اہل اسلام اور علمائے یہودیت وعیسائیت تو ان کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنے اور اس کی تشہیر کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔

حواشی

5۔ NATIONAL GEOGRAPHIC (MAGZINE) NOVEMBER 2004, "WAS DARWIN WRONG" BY DAVID QUAMMIN, PAGE 20

6۔ NATIONAL GEOGRAPHIC, MARCH 1998, "THE RISE OF LIFE ON EATRH BY RICHARD MONASTERSKY, PAGE 58

7۔ STEPHEN A MILLER, JOHAN P. HARLEY, "ZOOLOGY" McGRAW HILL (FIFTH EDITION 2002), U.S.A, PAGE 105

8۔ IBID

9۔ IBID, PAGE 122

10۔ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد 17 صفحہ 259,267 جلد 16 صفحہ 261

ساٹھ سال کا پاکستان

صدیق صادق ،جھنگ صدر

اب پاکستان ساٹھ سال کا ہوگیا ہے قوموں ملکوں کی زندگی میں اگر چہ ساٹھ سال کوئی بڑا عرصہ نہیں لیکن جب ہم ساٹھ سال کے اس پاکستان کا مقابلہ وموازنہ اردگرد کی دوسری قوموں اور ملکوں سے کرتے ہیں جن میں چین، جاپان، کوریا، ملائشیا اور بھارت جیسے ممالک شامل ہیں جو پاکستان کے ساتھ یا بعد میں آزاد ہوئے اور ان کی حیرت انگیز ترقی کو دیکھتے ہیں تو پاکستان کی زبوں حالی ،انتشار اور پسماندگی کو دیکھ کر اس مملکت کے لئے دی گئی لاکھوں معصوم جانوں اور عصمتوں کی قربانیوں کے ضیاع کے دکھ سے زخم اور گہرے ہوجاتے ہیں کہ آخر یہ ملک اور قوم ایک واضح نظریۂ حیات ،ایک دستورالعمل اور نصب العین رکھنے کے باوجود اپنی متعین منزل تک پہنچنے، حصول پاکستان کے متعین مقاصد کے حصول میں ابھی تک کامیاب کیوں نہیں ہوسکی ؟ آخر ناکامیاں ہی اس کا مقدر کیوں ہیں؟ واضح اور متعین منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرنے والی ایک خدائی سواءالسبیل اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر دشمن کی متعین کردہ ٹیڑھی پگڈنڈیوں پہ قوم کیوں بھٹکتی پھر رہی ہے؟ اور کب تک بھٹکتی رہے گی؟ آخر کب تک؟

دکھ کا مقام ہے کہ زندگی کی ساٹھ منزلیں طے کر لینے کے باوجود بھی یہ مظلوم ملک دوراہے پہ کھڑا ہے، یہ اس بابصیرت قیادت سے محروم ہے جو اسے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ متعین منزل کی طرف گامزن کر سکے ۔ بصیرت وبصارت سے محروم موجودہ قیادت اپنے ذاتی یا گروہی مفادات کی جنگ میں الجھی ہوئی ہے ،اسے ملکی بقاء سے کوئی سروکار ہے نہ قوم کی فلاح سے۔اس ملک اور قوم کی زندگی کی یہی وہ نازک اور اہم گھڑی ہے جب پوری سولہ کروڑ قوم کو یکسو

اور متحد ہوکر اپنے حالات اور سارے معاملات کا از سرنو جائزہ لینا اور اپنے ہر قسم کے ذاتی اور انفرادی مفادات کی قربانی دے کر ایسی بالغ نظر قیادت کا انتخاب کرنا ہے جو اسکی ہچکولے کھاتی کشتی کنارے لگادے۔ ورنہ ہر طرح سے مسلح دشمن گھیرا ڈالے اس کشتی کو ڈبو دینے کے درپے ہے۔

دوقومی نظریہ اور پاکستان

دنیا میں ہمیشہ اور ہر دور میں صرف دو ہی ملتیں موجود رہی ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔ ایک ملت اسلامیہ جسے اللہ تعالی خالق و مالک کائنات نے اپنی کتاب مقدس قرآن حکیم میں ''حزب اللہ'' کے نام سے پکارا ہے اور دوسری ملت باطلہ جسے ''حزب الشیطان'' کا نام دیا گیا ہے اور اس میں کافر و مشرک، یہود و عیسائی اور دہریئے وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ اس اٹل اور ابدی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اللہ رب العزت سورۃ الکافرون میں فرماتے ہیں۔

> ''اے میرے حبیب! دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیجئے کہ اے اہل باطل میں تمہارے معبودوں کا پرستار نہیں اور تم میرے معبود کے پرستار نہیں۔ میں تمہارے معبودان باطل کی بندگی نہیں کرسکتا اور تم میرے معبود برحق کی بندگی کے لئے تیار نہیں ہو۔ اس لئے میرا اور تمہارا راستہ کبھی ایک نہیں ہوسکتا۔ (لکم دینکم ولی دین)

اور یہی حکم خداوندی دوقومی نظریے کی بنیاد ہے۔ اسی بنیاد پر ریاست مدینہ کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی اور یہی حکم خداوندی دوقومی نظریہ کی صورت میں اس مملکت خداداد پاکستان کی بنیاد بنا اور لکم دینکم ولی دین کے اسی خدائی فیصلہ کے پیش نظر بانئ پاکستان نے فرمایا تھا کہ! ''پاکستان کی بنیاد تو اسی دن رکھی جاچکی تھی جس دن ہندوستان میں پہلے شخص نے اسلام قبول کیا تھا'' اور پھر 1192ء میں مسلمان فاتح شہاب الدین غوری نے اس وقت کے مدمقابل ہندو راجہ پرتھوی راج کو اس وقت کے عام رواج اور رسم کے مطابق شرائط صلح پر مشتمل خط لکھا تھا۔ برصغیر کی مستند تاریخ ''تاریخ فرشتہ'' کے مطابق اس خط میں یہ مطالبہ موجود ہے کہ پنجاب، سندھ، سرحد (بلوچستان پہلے ہی اسلامی حکومت کا حصہ تھا) مسلم اکثریتی آبادی کے صوبوں پر مشتمل علاقے مجھے دے دو اور باقی ہندوستان پر تم حکومت کرو۔ شہاب الدین غوری کے اس مطالبے میں بھی دوقومی نظریئے اور قیام پاکستان کی واضح اور دوٹوک حکم خداوندی کی جھلک صاف دکھائی دیتی

ہے اسکے ساتھ جب ہم حکیم الامّت اور مصوّر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد 1930ء، حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نام آپ کے خطوط اور قائداعظم کی اپنی تقاریر کا مطالعہ کرتے ہیں اور 1940ء کی تاریخی قرارداد لاہور کو دیکھتے ہیں تو ان سب دستاویزات میں وہی ایک ٹھوس تصور جھلکتا دکھائی دیتا ہے جو اللہ نے خود اپنے حبیب ﷺ کی اس ملت کے لئے ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا ہے کہ ملت اسلامیہ چونکہ اپنے دین، اپنی تہذیب وثقافت، اپنے تشخص اور اپنی ہیئت ترکیبی میں ایک الگ ملت ہے اسلئے سرحد، بلوچستان، پنجاب، سندھ اور بنگال وغیرہ کے مسلمان اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک الگ اور آزاد وطن کا حصول ان کا بنیادی حق ہے چنانچہ حضرت حکیم الامّت کی قلندرانہ بصیرت اور قائداعظم کی بیدار مغز، فعال، پرعزم اور ولولہ انگیز قیادت اور پرزور دلائل اور مقصد کی سچائی نے نہ صرف انگریز بلکہ شاطر ہندو کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور مسلمان اسی دوقومی نظریئے کی بنیاد پر پاکستان کے نام پر علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس دوقومی نظریئے کو ایک دوسرے زاویۂ نگاہ سے دیکھیں کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ان علاقوں کے مسلمانوں کو جو بھارت کا حصہ ہیں اگر یہ بتایا جاتا کہ پاکستان اس غرض کے لئے بنایا جارہا ہے کہ اس پر چند گھرانوں کا تسلط قائم ہوگا، ان کی اولادوں کو بڑے بڑے عہدے ملیں گے اور وہ یہاں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کریں گے تو وہ اپنے خون کا ایک قطرہ تو کیا اپنے پسینے کا ایک قطرہ بہانے کے لئے کبھی تیار نہ ہوتے بمبئی، مدراس اور مہاراشٹر کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا کر اپنی جانیں کھپائی، اپنی بستیوں اور شہروں کو اپنے اور اپنے بچوں کے لئے جہنم بنالیا صرف اور صرف اس امید پر کہ کوئی خطہ زمین تو ایسا ہو جہاں اللہ کا قانون نافذ ہو، قرآن وسنت کی حکمرانی ہو، جہاں اسلام اپنی پوری شان اور وقار کے ساتھ سر اٹھا کر کھڑا ہو سکے اور مسلمان اپنے دین اور اپنی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرنے میں آزاد ہوں کہ جہاں اسلامی تعلیم عام ہو اور اسلامی اخلاق کی تربیت دی جائے۔ یہی عالمگیر ملی جذبہ تو دوقومی نظریہ کی روح رواں ہے!

مگر جس طرح اللہ کے آخری نبی حضور سرور کائنات ﷺ کی پیغمبرانہ قیادت میں صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم کو مدینہ کی پہلی اسلامی نظریاتی ریاست کے قیام کے لئے بے پناہ قربانیاں دینا پڑیں بے مثال جدوجہد کرنا پڑی، مصائب مشکلات کے کٹھن مراحل سے گذرنا پڑا اور آگ وخون کا دریا عبور کرنا پڑا۔ بعینہٖ اسی طرح برصغیر کے مسلمانوں کو بھی آزاد اسلامی ریاست پاکستان کے حصول کو ممکن بنانے کے لئے دس لاکھ سے زائد بچوں، بچیوں، عورتوں، جوانوں، اور بوڑھوں کی جانوں کی قربانیاں دینا پڑیں، لاکھوں عفت مآب بچیوں کی عصمتوں کی قربانی دینا پڑی اور دو کروڑ سے زائد مسلمانوں کو ہجرت کے کٹھن اور جان لیوا مراحل سے گذرنا پڑا۔ قرآن کریم میں جہاد کے ساتھ ہجرت کو اسی لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے دنیا میں نہ گھر بار اور وطن کی کوئی اہمیت ہے نہ آل اولاد اور کاروبار کی بلکہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم اس کا ایمان، اسکا دین اسکا عقیدہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے اصول ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کر کے وہ اللہ کی رضا حاصل کر سکے۔ وہ اپنا گھر بار وطن حتیٰ کہ اپنی جان تک قربان کر دینے کو اس بات پر ترجیح دے گا کہ وہ ان اصولوں کو قربان کرے جن پر اس کے ایمان وعقیدہ کا دارومدار ہے۔

اپنے پیاروں کی لاکھوں جانوں کی قربانیاں دینے اور ہجرت کے ان مشکل مراحل سے گزر کر اپنی منزل مراد، اپنے وطن عزیز پاکستان کی دھرتی پر قدم رکھتے وقت کروڑوں فرزندان توحید میں سے کسی چہرے پر نہ رنج والم کی پرچھائیاں تھیں نہ کرب کے آثار اور نہ اپنا سب کچھ لٹ جانے کے غم کا کوئی احساس! ہر چہرے پر ایک ملکوتی نور، روشنی کی ایک جھلک، آنکھوں میں تشکر آمیز خوشی کے آنسو اور سینوں میں اطمینان کی دولت سمیٹے وہ اس مقدس دھرتی پر قدم رکھ رہے تھے جس بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ یہاں اپنے دین، اپنی تہذیب وثقافت اور درخشان اسلامی روایات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے۔ خوب محنت کریں گے اور اپنے اس خداداد وطن کو ایک اسلامی فلاحی ریاست میں ڈھال کر جنت ارضی بنا دیں گے۔ جہاں سب کے لئے برابری کی سطح پر انصاف ہوگا ہر ایک کو اس کے بنیادی حقوق حاصل ہوں گے سب کو وہ عزت نفس ملے گی جو ایک اسلامی فلاحی ریاست کا خاصہ ہوتی ہے۔ ہر مسلمان ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرے گا جن پر وہ ایمان لایا ہے اور جو اس کے ایمان وعقیدہ کے بنیادی اجزاء ہیں اس ملک میں قرآن وسنت کی

حکمرانی ہوگی اور ہر مسلمان سر اٹھا کر چل سکے گا۔ مگر ع بسا آرزو کہ خاک شد!

آزمائش وابتلاء

اپنی پیدائش کے دن سے ہی یہ قوم اور ملک ابتلاء اور آزمائشوں کے ایک لامتناہی سلسلے میں جکڑی ہوئی ہے۔ اتنے بڑے بڑے اور روح فرسا پے در پے سانحات وحادثات سے یہ قوم وملک گزری اور ابھی تک گزر رہی ہے کہ دنیا کی کوئی بھی قوم اور ملک شاید اسکا تصور بھی نہ کر سکے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی واحد اسلامی نظریاتی ریاست ہے اور ازلی اسلام دشمن طاقتوں (یہود ونصاریٰ) کو یہ کسی طرح بھی اور کبھی بھی گوارا نہیں ہوگا کہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست دنیا میں قائم ہو اور پروان چڑھے۔ تاریخ کی گواہی ریکارڈ پر ہے کہ پہلی اسلامی نظریاتی ریاست مدینہ کے خلاف بھی یہی کچھ ہوا۔ اس ریاست کو مٹانے کے لئے بھی دشمنوں نے ہر حربہ آزمایا، بے پناہ سازشیں ہوئیں، خود خدا کے رسول ﷺ کے خلاف ہر ہتھکنڈا استعمال کیا گیا خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ ان کے بعد بھی یہ سلسلہ بند نہ ہوا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت کے مراحل سے گذرنا پڑا پھر سانحہ کرب وبلا پیش آیا جس کے انتہائی تلخ منفی اثرات سے یہ ملت آج تک چھٹکارا نہیں پا سکی اس سب کے پیچھے دشمن طاقتوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں تھیں اور اب یہی کھیل اس نئی نظریاتی ریاست پاکستان کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اسلام دشمن طاقتوں کے ان پاکستان مخالف منصوبوں کو روبعمل لانے میں بنیادی کردار ہمیشہ اندر کے ان دشمنوں کا رہا ہے جنہیں قرآن مجید کی اصطلاح میں ''منافقین'' کہا گیا ہے جو اپنی خواہشات نفس، ذاتی، طبقاتی اور گروہی مفادات، دنیا کی حرص اور چند روزہ اقتدار واختیار کی ہوس میں دشمن کا آلہ کار بن کر ملک وملت کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ان ناختم ہونے والی آزمائشوں اور ابتلاؤں کا آغاز بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی بے وقت موت سے ہوا جس کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ انہیں شہید کیا گیا۔ یہاں بھی ریاست مدینہ والی تاریخ دہرائی گئی اور قائداعظم کے کچھ عرصہ کے بعد ان کے معتمد ساتھی قائد ملت لیاقت علی خان کو جلسۂ عام میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ ان دو قائدین کے بعد ملک کو صحیح، مخلص

اور مضبوط قیادت میسر نہ آسکی جسکی وجہ سے نہ صرف پاکستان کی پالیسیوں کا رخ ایک اسلامی فلاحی معاشرہ کے فروغ کی طرف قائم نہ رہ سکا بلکہ چند بااثر گھرانوں پر مشتمل طالع آزماؤں کو ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس بدقسمت ملک کے یہی وہ گھرانے ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح اثر خاکی بیوروکریسی پر بھی ہے، سول بیوروکریسی پر بھی، سیاست پر، ملکی صنعت وحرفت پر بھی ان کا تسلط ہے اور دوسرے اہم اداروں پر بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس غریب ملک کی زندگی کے ساٹھ سالوں میں سے 32 طویل سال وردی پوش آمریت کے علاوہ انگریز کی چھوڑی ہوئی وراثت جاگیردار طبقہ، افسر شاہی، مفاد پرست سیاستدان، کردار کے بحران کا شکار عدلیہ کے کچھ لوگ اور سودخور صنعتکار بھی پاکستان کے پے در پے بحرانوں اور ابتلاؤں کے ذمہ دار ہیں اس ملک کے ساتھ ایک گھناؤنی سازش یہ بھی ہوئی کہ یہ مسلسل گیارہ سال تک بے آئین رہا اور 1958ء میں مکمل مارشل لاء کی نذر ہوکر اپنی متعین منزل کھو بیٹھا اور اسی وردی پوش آمریت کے نتیجے میں اس ملک کو اپنی زندگی کے اس عظیم سانحہ سے دوچار ہونا پڑا جب اسے دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا اور ایک منتخب وزیراعظم ایٹمی پروگرام شروع کرنے کی پاداش میں وردی پوش آمریت کے ہاتھوں پھانسی چڑھا دیا گیا اور پھر جب اس وردی پوش آمر کی قومی غیرت جاگی اور اس نے وطن دشمنوں کے اشاروں پر ناچنے سے انکار کر دیا تو اس کا طیارہ دیگر اہم ملکی جرنیلوں سمیت فضا میں تباہ کر دیا گیا پھر ایک اور منتخب وزیراعظم کو دشمنوں کی خواہشات کے برعکس ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کی ''گستاخی'' کی سزا کے طور پر ایک اور اپنے ہی وردی پوش آمر کے ہاتھوں ملک بدر کر کے جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا اور اس نظریاتی مملکت کی بنیادیں کمزور کرنے، اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے، اس کے دفاع کو کمزور کرنے، اس کے اسلامی نظریاتی تشخص کو مسخ کر کے روشن خیالی کے بدلے میں اسلام دشمن طاقتوں کے اپنے لادین سیکولر نظام کو بتدریج متعارف کروانے اسلامی نظریاتی نظام تعلیم کو بدلنے، جذبہ جہاد کو ختم کرنے، قومی اداروں کی توڑ پھوڑ، پوری قوم کو ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت بے روزگاری، مہنگائی، لاقانونیت، بجلی وگیس، پانی پٹرولیم مصنوعات کا غیر فطرتی بحران پیدا کر کے اور عوام کو، خاص طور پر جہاد کی روح سے سرشار قبائلی عوام کو اپنی ہی فوج سے لڑا کر فوج اور عوام کے

درمیان نفرت کی ایک خلیج پیدا کرنے کے لئے اسلام دشمنوں نے موجودہ حکومتی بندوبست کے ذریعے اپنے وہ بہت سے ناپاک اہداف حاصل کر لئے ہیں یا حاصل کرنے کے قریب ہیں جنکی کوئی مثال اس ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ پھر موجودہ وردی پوش آمریت کے اپنے دعوؤں کے برعکس کشمیر ایشو جاں بلب ہے۔ ایٹمی پروگرام مخدوش حالت میں ہے۔ ہمارا ایٹمی ہیرو اسیری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، تمام سرحدیں غیر محفوظ ہیں، داخلی طور پر سولہ کروڑ عوام خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ نیٹو اور امریکہ جس کے ہم دوست اور فرنٹ لائن اتحادی ہونے کے زعم باطل میں مبتلا ہیں ہمیں حملوں کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ غرض دنیا کی یہ واحد اسلامی مملکت اپنی ساٹھ سالہ زندگی کے کٹھن ترین ابتلاء و آزمائش اور بدترین اقتصادی، ثقافتی، تمدنی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی اور دینی بحران سے دوچار ہے۔

مبشرات پاکستان

لیکن جیسا کہ قلندر لاہوریؒ نے حضرت مولائے روم کے الفاظ میں کہا ہے کہ!

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند

می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند؟

اور یہ ایک ازلی حقیقت ہے اور اٹل قانون قدرت ہے کہ ہر انہدام (DEMOLITION) کا مثبت نتیجہ تعمیر (RECONSTRUCTION) پر منتج ہوتا ہے۔ اور اس دین فطرت اسلام میں تو اس کے خالق و مالک نے وہ لچک رکھی ہے کہ ع ''اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے'' اس نظریاتی مملکت پاکستان کے آج کے حالات میں اور چودہ صدیاں پہلے کی ریاست مدینہ کے حالات میں بڑی گہری مماثلت ہے۔ جس قسم کے مشکل حالات سے آج پاکستان کو گزرنا پڑ رہا ہے ایسے ہی کٹھن مراحل سے ریاست مدینہ کو بھی گزرنا پڑا تھا۔ ایک طرف کفار و مشرکین مکہ اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کو مٹا ڈالنے کیلئے پوری طاقت استعمال کر رہے تھے تو دوسری طرف عبداللہ بن ابی جیسے منافق اور ابو عامر راہب جیسے مار آستین اپنے زہریلے پھن پھیلائے اسے ڈس لینے کے درپے تھے ایک طرف یہود کا شاطر ذہن اسے زک پہنچانے کے نت نئے منصوبے بنانے میں مصروف تھا تو دوسری طرف قیصر و کسریٰ کی سپر پاور اس ابھرتی ہوئی اسلامی مملکت کو اپنے مستقبل

کے لئے شدید خطرہ سمجھتے ہوئے اسے صفحہء ہستی سے مٹاڈالنے کے لئے اپنی ساری مادی اور حربی طاقت استعمال کررہی تھیں۔مگر ع نورخدا تھا کفر کی حرکت پہ خندہ زن

اور کارکنان قضاء وقدر حاکم اعلی کا یہ قرآنی فرمان نافذ کرنے کی تیاری کررہے تھے۔''اللہ باطل کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمانوں کے ذریعے حق ثابت کردکھاتا ہے''۔(التوبہ:64)

ریاست مدینہ کی ہی تاریخ دہراتے ہوئے اسی بالاتر ہستی نے جس طرح ہند کے اس خطۂ ارضی پر، جہاں سے میرعرب کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی۔ پاکستان کو دنیا کے نقشے پر نمایاں کر کے ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بنایا تھا اسی طرح وہی بالاتر ہستی اسے اس کی متعین منزل تک پہنچانے اور اس کی تخلیق کے سارے مقاصد حاصل کرنے میں اس کی معاون ومحافظ ہے۔اس لئے کے یہ نظریاتی مملکت اللہ کا ایک سربستہ راز ہے۔ جمعہ کا مبارک دن، رمضان المبارک کا مہینہ، بدر کی تاریخ ساز کامیابی اور فتح مکہ کی نوید کا مہینہ، ہند میں آمد اسلام کا مہینہ، اسی مبارک مہینہ کی ستائیسویں رات، لیلۃ القدر کی ساعت، نزولِ قرآن وصحائف کی رات۔۔۔اور یہی اس مملکت خداداد کی سعید رات۔ پاکستان کے قیام کے لئے اتنی ساری سعید ساعتوں کا ایک ساعت سعید میں سمٹ آنا اللہ حکیم وخبیر کی کسی حکمت اور کسی خاص مقصد سے خالی ہوسکتا ہے؟

جس طرح ایسی ہی ایک سعید ساعت میں اپنی کتاب مقدس قرآن پاک کے دنیا میں نزول کی رات میں نازل کرنے والی بالاتر ہستی نے اپنا یہ اٹل فیصلہ بھی صادر کردیا تھا کہ''ہم نے ہی اسے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ بعینہٖ اسی طرح اسی ساعت سعید میں تخلیق پانے والے پاکستان کا دفاع اور تحفظ بھی وہی بالاتر ہستی کررہی ہے اور کرتی رہے گی۔اس سچائی کی زندہ مثال ماضی قریب کی ایک ملحد فلسفۂ حیات کی بانی سپر پاور ہے جو اللہ، اس کے اقتدار اعلی اور اس کے ازلی اور ابدی ورلڈ آرڈر کی باغی ہوکر اپنی خودساختہ سپر ریاریٹی (SUPERIORITY) کے زعم میں مبتلا ہوکر افغانستان کے راستے پاکستان کو مٹانے چلی تھی اللہ کے غضب کا شکار ہوکر خود مٹ گئی اور خود ٹکڑوں میں بکھر کر عبرت کا نشان بن گئی۔ اسی طرح ایک دوسری بڑی سپر پاور اپنی بے پناہ مادی اور حربی طاقت کے نشے میں مدہوش اسی راہ پر چلنے کے جنون میں مبتلا ہے۔اس اٹل حقیقت سے بےخبر کہ اس راستہ پر قدم رکھنے والے عدم کی گھاٹیوں میں یوں کھو جاتے ہیں کہ آنے

والی نسلوں کو ان کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اس مملکت خداداد کے خلاف سازشی اور تخریبی کاروائیاں کرنے والے، اسے ایک ناکام ریاست ثابت کرنے اور اسے مٹاڈالنے کے زعم باطل میں مبتلا عناصر کو ــــــــــــــــ وہ یہودی ہوں یا عیسائی ، ہندو ہوں یادہریئے اندر کے منافق ہوں یا روشن خیال ــــــــــــــــ انہیں اپنے عبرتناک انجام کی فکر کرنی چاہئے۔

اسلئے کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر زمانہ میں نمرود پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر تاریخ کے کسی دور میں نہ کوئی نمرود کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ کبھی ہوسکے گا۔ کہ جب بھی وقت کے کسی نمرود نے آگ کا الاؤ دہکانے کی کوشش کی اللہ نے اپنے ورلڈ آرڈر کے عین مطابق اسے گل وگلزار میں بدل کر تاریخ ابراہیمی دہرانے کی اپنی سرمدی سنت ادا کی اس ازلی معرکۂ حق وباطل میں یہی قدرت کا آخری فیصلہ ہوتا ہے جو ہر زمانے میں لاگو ہوتا رہتا ہے۔ یہی تاریخ انسانی کی اصل کہانی ہے کہ تاریخ کسی نمرود کی آتش افروزی سے نہیں چڑیا کی آب ریزی سے معتبر ٹھہرتی ہے۔

اور یہ بھی تاریخ ہی کی شہادت ہے کہ اندھی طاقت کے زعم میں کتنے ہی نمرود حق کو جلا ڈالنے کے لئے آگ کا الاؤ دہکانے نکلے مگر اپنی ساری طاقتوں سمیت خود اس الاؤ میں بھسم ہوگئے اور "یا نا ر کونی بر دا و سلاما علی ابراھیم"۔ کی تاریخ ہر دور میں خود کو دہراتی رہی اور تاحشر یونہی دہراتی رہے گی۔ اور آج جتنے بھی نمرود جتنے فرعون، جتنے ابوجہل، اور جتنے یزید آتش نمرود کا االاؤ دہکانے میں مصروف ہیں اس الاؤ میں جل کر راکھ کا ڈھیر بنیں گے اور راکھ کے اسی ڈھیر سے ایک سدابہار، ابدقرار پاکستان ابھرے گا۔ دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے مکمل احیاء کے ساتھ ان شاء اللہ! اس لئے کہ ''اللہ باطل کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمانوں کے ذریعے حق ثابت کر دکھاتا ہے''۔

حرم کا مسافر

پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب

ہمارے ادارہ تحریر کے ایک معزز رکن پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹوبہ سفر حج پر روانگی کی تیاری کر رہے ہیں ان کے پاکیزہ خیالات اور تاثرات سے آپ بھی اپنے شوق کو مہمیز دیں اور سب کے لئے دعا گو ہوں۔ (ادارہ)

''بندہ حاضر ہے اے اللہ بندہ حاضر ہے''

ایک موقع پر محترم مختار فاروقی صاحب نے فریضہ حج کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی لیکن عدم استطاعت رکاوٹ بن گئی ریٹائرمنٹ لی تو یک مشت ملنے والی رقم سے استطاعت حاصل ہوگئی ،اسی سال حج کے لئے درخواست دے دی ۔ پروفیسر امجد صاحب نے خواہش کا اظہار کیا کہ حج کا ارادہ اگلے سال تک کے لئے ملتوی کر دیں تو دونوں اکٹھے حج کی سعادت حاصل کریں گے بندہ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ زندگی کا کیا بھروسہ، کیا ایک سال مزید زندگی کی کوئی ضمانت دے سکتا ہے؟ مجھے تو ایک فرض کی ادائیگی کرنا ہے درخواست دینے کے بعد اکثر خیالوں کی دنیا بسایا کرتا کہ اس مقدس سرزمین کا سفر ہے حالت احرام میں ہوں کہیں طواف بیت اللہ ہے کبھی صفا و مروہ کے مابین سعی ہے پھر مسجد نبوی اور حضور کا مزار اقدس ہے پھر خیال آتا ہے کہ کیا خبر اللہ تعالی کا اذن بھی ہوتا ہے یا نہیں ابھی تو قرعہ اندازی کا مرحلہ باقی ہے آخر ایک دن یہ خبر ملی کہ درخواست نامنظور ہوئی۔ یوں یہ گنہگار بندہ گروپ لیڈر کی حیثیت سے کتنے ہی مخلص احباب کی مقدس خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ بن گیا میں اور اہلیہ دونوں اس محرومی اور ناکامی پر شدید صدمے سے دوچار ہوئے دل کو تسلی دی کہ اللہ کی مرضی یہی تھی اس طرح ایک سال اور انتظار کیا۔ اور پھر نئے

امیدوں کے ساتھ حج کی درخواست جمع کرائی اپنے گروپ کے احباب سے کہا کرتا تھا کہ ذہناً تیار رہیں قرعہ اندازی میں ناکامی کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے اس دفعہ تو اس گروپ میں پروفیسر امجد صاحب بھی شامل تھے۔ایک دن پروفیسر محمد بشیر سالک صاحب سے مسجد میں ملاقات ہوئی جو کچھ عرصہ پہلے عمرہ کی سعادت حاصل کر کے واپس آئے تھے نماز کے بعد فرمانے لگے اس دفعہ آپ کی درخواست منظور ہو جائے گی اور آپ حج کی سعادت حاصل کر لیں گے کیونکہ میں نے تمہیں خواب میں بیت اللہ میں دیکھا ہے بہت خوش ہوا۔دعا کی کہ اے اللہ! اس دوست کا خواب سچا کر دے اللہ تعالی تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے آخر کامیابی کی نوید سنی رات کا وقت تھا ٹیلیفون پر عزیز واقارب کو یہ خوشخبری سناتا رہا اور ان سے مبارکبادی کے پیغام وصول کرتا رہا۔واقعی حج ایک بڑی نیکی اور بڑی سعادت ہے۔والدہ مرحومہ تو بڑے شوق سے حج کی سعادت حاصل کرنے والے خوش نصیب کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں۔پھر حاجی کا نام لینا بے ادبی سمجھتی تھیں اور گھر میں کوئی حاجی آجائے تو بیماری اور ضعف کے باوجود دیوار کا سہارا لے کر باہر تک اسے الوداع کرنے جاتیں۔میں تو اپنے مالک کا ایک گنہگار بندہ ہوں اللہ کے گھر کے آداب سے بھی کما حقہ واقف نہیں وہ گھر جسے حضرات ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا۔باپ معمار ہے تو بیٹا مزدور ہے۔اسی مقام مقدس پر دونوں ہستیوں نے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی امت کے لئے دعائیں کی۔اللہ تعالی نے ہمیں سعادت بخشی کہ اس امت میں پیدا فرمایا۔اسی عظمت والے گھر کا طواف کرنا ہے پھر صفا و مروہ کے مابین سعی کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ سلام علیہا کی سنت اور حضور ﷺ کے طریقے کی پیروی کریں گے اللہ کی توفیق سے مدینہ المنورۃ میں مسجد نبوی اور روضہ اقدس کی زیارت ہوگی دعا ہے کہ اللہ تعالی اس مقدس فرض کی ادائیگی کی بطریق احسن توفیق دے ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ان تمام امور کی ہمت بخشے جن سے وہ راضی ہو جاتا ہے۔آمین

دعا گو خلیل الرحمٰن